تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ر فروری ۱۹۸۲ء — ۱۵ر ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۷

زرِ تعاون

اندرون ملک ——— بیس روپے
فی پرچہ ——— ایک روپیہ
بیرون ملک۔ بری ڈاک ——— ۵ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ
افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ
یورپ و امریکہ ——— ۱۰ پونڈ

اداریہ

ناجنگ معاہدہ

ابو العرفان ندوی

ہندوستان کی آزادی اور اس کی تقسیم کے نتیجہ میں دو مملکتوں کے قیام پر ۳۵ سال کی مدت گذر چکی ہے دونوں مملکتوں کے درمیان اس طویل مدت میں دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات میں نرم و گرم اور خوشگوار و ناخوشگوار لمحات گزر چکے ہیں، یہاں تک کہ دو بار ان دونوں کے درمیان جنگ بھی ہو چکی ہے، اس کے نتیجہ میں یہ دونوں پڑوسی ملک ایک دوسرے سے بدگمان اور خوفزدہ رہتے ہیں اور ان کی صلاحیت و قوت کا ایک بڑا حصہ اس باہمی کشمکش میں صرف بلکہ ضائع ہوتا ہے اور دونوں ملکوں کے عوام مختلف قسم کی تکلیفوں سے دوچار رہتے ہیں، وہ دو ملک جو ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں اور جو ۳۵ سال پہلے ایک ملک اور ایک قوم تھے، ان کا اس طرح سے رہنا دونوں کے لئے کسی طرح مفید نہیں، خوشی کی بات ہے کہ اس وقت دونوں ملکوں کے سربراہ ناجنگ معاہدے کی ضرورت کو اصولی طور پر منظور کر چکے ہیں اور پاکستانی وزیر خارجہ جو کامیاب اور تجربہ کار سیاست دان ہیں دہلی آئے ہوئے ہیں اور اس کی تفصیلات طے کر رہے ہیں، دونوں کی طرف سے اس وقت تک جو بیانات سامنے آرہے ہیں وہ بہت ہی امید افزا ہیں اور یہ توقع بے جا نہیں ہے کہ ۳۵ سال کی یہ طویل کشمکش اور خون و بے اعتمادی کی یہ فضا ختم ہو جائے گی۔

ناجنگ معاہدہ درحقیقت دونوں ملکوں کے درمیان اعتماد اور خوشگوار تعلقات کا دروازہ کھول دے گا اور اس کے بعد یہ دونوں ملک اپنی صلاحیتوں کو تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں لگا کر اور آگے بڑھیں گے اس لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ ناجنگ معاہدہ کی جو گفتگو اس وقت چل رہی ہے وہ کامیابی سے ہمکنار ہو، اور دونوں حکومتوں کی منظوری حاصل ہو، ہندوستان و پاکستان کی تاریخ میں یہ دن بہت یادگار اور اہمیت کا دن ہوگا اور یقیناً دونوں ملکوں کے عوام کی خواہشات کے عین مطابق ہوگا۔

تقسیم ملک کے بعد جو ان دونوں ملکوں کے درمیان باہمی تشدد اور قتل و خانگری کی فضا پیدا ہوئی تھی اور اس کے نتیجہ میں دونوں طرف کے ہزاروں عوام کی جانیں ضائع ہوئیں اور ان سے زیادہ افراد تباہ و برباد ہوئے اسی وقت سے برابر یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور اس سلسلہ سے تقسیم کے معاہدہ بعد گاندھی جی نے ایک انقلابی قدم اٹھایا اور ان کا ایک پائیدار منصوبہ تھا جس کو وہ بہت جلد عمل میں لا کر دونوں ملکوں کے درمیان ایک مستحکم اور پائیدار امن قائم کرنا چاہتے تھے لیکن ایک بدبخت اور شقی نے ان کو قتل کر دیا اور پھر اس کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان بہتر تعلقات کی عملی کوشش بڑے پیمانے پر نہ ہو سکی لیکن یہ چنگاری خاکستر کے نیچے ضرور دبی ہوئی تھی جو آج راکھ کے ڈھیر کے نیچے سے اوپر آگئی ہے ہندوستان کے لئے اس کی طرف پہل کرنا در حقیقت گاندھی جی کے اس منصوبہ کو پورا کرنا ہے جس کے لئے ان کو اپنی جان دینی پڑی یہ ملک جس کا اقتدار آج تک عملاً انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں رہا ہے جو گاندھی جی سے متعلق اور ان کے خیالات اور پالیسیوں کو ماننے والے اور چلانے والے ہیں اس لئے ہمیں یقین ہے کہ یہ لوگ وقت کی اس ضرورت و اہمیت کو سمجھ کر اس کی طرف پیش رفت کریں گے۔

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ باقاعدہ موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی۔ کے ذریعہ سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ سنگ وی۔ پی خرچ Rs. 23/75 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ باقاعدہ بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

نماز

مولانا سید عبد الحی حسنی

آیات:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ۝

(سورۂ ہود آیت ۔ ۱۱۴)

اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو۔ کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝

(سورۂ بقرہ آیت ۔ ۲۳۸)

(مسلمانو!) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور خدا کے سامنے ادب سے کھڑے رہا کرو۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (سورۂ نساء آیت ۔ ۱۰۳)

بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (سورۂ عنکبوت آیت ۴۵)

کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ (سورۂ ماعون ۴۔۵)

ایسے نمازیوں کی خرابی ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ، بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل باقی رہے گا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اس کے جسم پر ذرا بھی میل نہ باقی رہے گا، آپؐ نے فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ، کوئی بھی شخص مسلمان نہیں کہ جب فرض نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو وہ اچھی طرح سے وضو کرتا ہے، دل میں خشوع کی کیفیت پیدا کرتا ہے، اچھی طرح سے رکوع (سب ارکان ادا) کرتا ہے تو وہ نماز اس شخص کے پچھلے تمام گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے سوائے گناہ کبیرہ کے اور نماز کی خیر و برکت کی، یہ بات ہمیشہ رہتی ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر مسجد گیا اور اللہ تعالیٰ کے کسی فریضہ کو ادا کیا تو اس کے ایک قدم سے ایک گناہ مٹتا ہے اور دوسرے قدم سے ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں سب سے بڑا اجر اس شخص کو ملتا ہے جو زیادہ فاصلہ طے کر کے مسجد آتا ہے پھر اس کے بعد جو دور سے آتا ہو، اور جو شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے حتیٰ کہ امام کے ساتھ باجماعت ادا کرتا ہے اس کا اجر اس سے بڑا ہے جو پڑھ کر سو جاتا ہے (جماعت کا انتظار نہیں کرتا)۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز باجماعت تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس گنا افضل ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آئے، عرض کیا اللہ کے نبیؐ! مجھے مسجد لانے والا کوئی شخص نہیں ہے، حضورؐ سے عرض کیا کہ مسجد میں نہ آنے کی اجازت دے دیں، جب واپس ہوئے تو آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا اذان سنتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا، تب تو جماعت میں حاضر ہو۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس گاؤں یا دیہات میں تین آدمی ہیں اور نماز باجماعت نہیں ہوتی ان پر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے، جماعت میں حاضری تم پر فرض ہے، بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔ (ابو داؤد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل زیادہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا، وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا، والدین کے ساتھ حسن سلوک، پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے نماز کی پرسش ہوگی، اگر نماز درست ہے تو کامیاب و بامراد ہوگا اور اگر نماز میں نقص رہا تو ناکام و نامراد ہوگا، جب کسی فریضہ میں کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا دیکھو میرے بندے کا کوئی نفل عمل ہے اور اس نفلی عمل میں سے لے کر فریضہ کی کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد سارے اعمال کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ، جو مسلمان بھی فرض نماز کے علاوہ ہر روز بارہ رکعت نفل نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے، یا آپ نے یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل میرے گھر میں چار رکعت پڑھتے تھے، پھر باہر نکلتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے، اس کے بعد پھر میرے گھر میں داخل ہوتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، آپؐ مغرب کی نماز پڑھاتے، پھر میرے گھر میں داخل ہوتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، (اسی طرح) عشا کی نماز پڑھا کر میرے گھر میں داخل ہوتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا و فجر کے درمیان گیارہ رکعتیں پڑھتے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے، آخر میں پھر ایک رکعت سے طاق کرتے۔ جب فجر کے وقت مؤذن کی اذان ختم ہوتی اور اچھی طرح طلوع فجر ہو جاتی اور مؤذن خدمت میں حاضر ہوتا آپ اٹھتے اور دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے اور داہنے پہلو پر لیٹ جاتے اور جب مؤذن اقامت کی خبر کرتا تو اٹھتے۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو آخر رات میں بیدار ہونے کا اطمینان نہ ہو وہ شروع رات میں وتر پڑھ لے، اور جسے امید و شوق ہو کہ آخر رات میں اٹھ جائے گا وہ رات کے آخر میں وتر پڑھے کہ آخر رات کی نماز مبارک ہے اور یہ افضل ہے۔ (مسلم)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے روز غسل کرتا ہے اور بقدر استطاعت صفائی ستھرائی کرتا ہے، تیل لگاتا ہے گھر میں موجود خوشبو استعمال کرتا ہے پھر وہ نماز کے لئے جاتا ہے، جہاں جگہ ملتی ہے بیٹھ جاتا

(بقیہ صفحہ پر)

روس اور سامراجیت

واضح رشید ندوی ——— ترجمہ: رشید احمد

اشتراکیت مزدوروں کے حقوق اور اقتصادی اور طبقاتی مساوات کی علمبردار ہے، اور سیاسی اور اقتصادی استحصال کی مخالفت اور اس کے خلاف جد و جہد کو اولین مقاصد میں شمار کرتی ہے بلکہ اس نظام کی اساس ہی محنت کش طبقہ کے حقوق کے حصول کے لئے جد و جہد پر قائم ہے لیکن پولینڈ میں روس کا موقف مزدوروں اور محنت کشوں کے مقابلہ میں مالکوں کے ساتھ ہمنوائی اور تائید کا ہے، دنیا کے ہر ملک میں مالک اور مزدوروں کے درمیان کشمکش میں کمیونسٹ نظریہ کے لوگ مزدوروں کا ساتھ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں، لیکن پولینڈ میں ان کی تائید حکمراں طبقہ کو حاصل ہے اور اس حاکم طبقہ کو عوام سے بچانے کے لئے فوجی وسائل استعمال کئے جا رہے ہیں۔ پولینڈ کے عوام نے نہ کیمونزم سے بغاوت کی ہے اور نہ وارسا پیکٹ سے علٰحدگی اختیار کی ہے، وہاں کے مزدوروں نے کچھ حقوق کا مطالبہ کیا ہے، جو حقوق پڑوسی غیر کمیونسٹ ملکوں کو حاصل ہیں، اس کے لئے سالوں سے پر امن جد و جہد کی جا رہی ہے۔ اس جد و جہد میں روز بروز قوت پیدا ہوتی رہی اور عوامی تائید میں اضافہ ہوا تو کمیونسٹ نظام کو اس کا خطرہ لاحق ہوا کہ اس سے اس کی حقیقت کھل جائے گی، اس لئے اس پر امن عوامی تحریک کو کچلنے کے لئے طاقت استعمال کی گئی، قانونی حکومت کی جگہ فوجی حکومت قائم کی گئی اور مارشل لا نافذ کیا گیا، اس کے جواز کے لئے ظاہر کیا گیا کہ یہ سامراجی سازش ہے۔

پولینڈ کے حالات نے جو رخ اختیار کیا ہے، اور روس نے عوامی طاقت کو کچلنے کے لئے جو فوجی ترکیبیں استعمال کیں، وہ اشتراکی دنیا میں نئی نہیں ہیں اس سے پہلے چیکوسلواکیا اور ہنگری میں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں۔ ان دونوں ملکوں میں بھی عوامی تحریک کو سامراجی سازش کہہ کر کچلا گیا۔ ہزاروں بے گناہ انسانوں کی جانیں گئیں، ہزاروں بے گھر ہوئے، بربریت اور وحشت کا بدترین مظاہرہ کیا گیا۔ عوامی تحریک کو کچلنے کے لئے روس ہر ملک میں یکساں انداز اختیار کیا ہے۔ اصلاح کی کسی تحریک کو چاہے وہ کتنی عوامی کیوں نہ ہو، سامراجی، رجعت پسند کہہ کر اس کو بدنام کیا جاتا ہے۔ مقامی حکومت کو کارروائی کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے، حکومت کے تشدد کے نتیجہ میں اس تحریک میں جب شدت پیدا ہوتی اور تحریک قوت پکڑتی ہے، اور حکومت تحریک کو کچلنے میں ناکام ہوتی ہے۔ تو براہ راست روس مداخلت کرتا ہے یہ کہہ کر کہ اس کو امن قائم کرنے یا کمیونزم کی حفاظت کے لئے دعوت دی گئی ہے، یہی صورت حال ہنگری میں پیش آئی بعد میں یہی صورت چیکوسلاویہ میں پیش آئی اور اب پولینڈ اخبارات کا موضوع بنا ہوا ہے، مغربی ممالک جو روس سے ٹکراؤ سے کتراتے ہیں صرف شور مچا کر رہ جاتے ہیں، اور روس تیز کارروائی کر کے آزادی کی تحریک کو کچل دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے، پولینڈ سے پہلے افغانستان روسی جارحیت کا شکار ہوا، جس کے نتیجہ میں لاکھوں افراد بے گھر ہوئے اور لاکھوں نوجوان شہید ہوئے وہاں بھی روسی کارروائی خود ساختہ حکومت کی مدد کے لئے اسی کی دعوت پر کی گئی۔

مشرقی یورپ کی اشتراکی دنیا سے ہٹ کر عرب اشتراکی دنیا پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہو گا کہ وہاں بھی حالات کا یہی رخ ہے جو مغربی ممالک میں گذشتہ چند برسوں سے کئی بار پیش آئے، جو ممالک روس کے زیر اثر ہیں مثلاً شام، یمن، لیبیا، الجزائر وہاں عوام سیاسی حقوق سے محروم ہیں، روسی فوجی مشیر اور کے۔جی۔بی (K.G.B) کے ایجنٹ نظام حکومت پر قابض ہیں، ملک کی حیثیت روس کے مفاد کی تابع ہے، کسی کو تنظیم بنانے اور اپنے نظریات کے اشاعت کی اجازت نہیں ہے، وسائل ابلاغ صرف ایک نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں، ہر چھوٹے بڑے مسئلہ میں وہاں کے قائدین ماسکو کی طرف دیکھتے ہیں جس کی بدترین مثال افغانستان کا مسئلہ ہے، روس کی کھلی جارحیت کے باوجود ان ممالک نے روس کی مذمت کرنے کے بجائے مجاہدین کو سامراج کا ایجنٹ کہا، یہ حکومتیں ہر وقت روس سے وفاداری کی تجدید کے لئے ایسی کارروائیاں کرتی ہیں جو کیمونسٹ مفاد کو قوت پہنچائیں، اس کے لئے اسلامی ذہن کو اور شخصی آزادی کی تحریک کو سامراجیت کا الزام دے کر کچلتی رہتی ہیں۔ عالم اسلام میں اس عہد میں جو انقلابات آتے رہے ہیں اور آئے دن حکام کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس میں سے اکثر کا تعلق امن عالم کے اس علمبردار سے ہے جس نے اس انسانوی سامراج کی جگہ لے لی ہے جس سے دنیائے عرب کے انقلابی ہیرو برسرپیکار ہیں اور جس کی زبانی مخالفت کو ترقی پسندی تصور کرتے ہیں۔

گذشتہ تیس برس کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اشتراکی کیمپ سے تعلق جوڑنے سے جو سب سے اہم تبدیلی رونما ہوتی ہے، وہ ماتحتی اور روس کی غلامی و بندگی ہے اور خود اعتمادی کا نقدان ہے اس سے کوئی ملک مستثنیٰ نہیں ہے۔ مشرقی یورپ کے وہ ممالک جنھوں نے روس کی وفاداری قبول کی یا ان کو قبول کرنے پر مجبور کیا گیا وہ علمی و صنعتی ترقی کے باوجود روسی سیاست اور ماسکو کے حکمراں ٹولہ کی خواہشات کے پوری طرح پابند ہیں، وہ اس کی مرضی کے خلاف کسی سے دوستی بھی نہیں کر سکتے اور جب بھی مشرقی یورپ کے کسی لیڈر کی جانب سے تصرف کی آزادی بیانک کر تجارت اور تعلیم حتیٰ کہ غیر کمیونسٹ پڑوسی ممالک کے ساتھ تعلقات کے بارے میں کوئی بھی مخفی اشارہ ہوتا ہے تو اس لیڈر کے لئے سیاسی یا حقیقی سزائے موت لکھ دی جاتی ہے اور اس کی تمام خدمات بے نتیجہ ثابت ہو جاتی ہیں، رہی خوشحالی اور اقتصادی ترقی جس کے لئے عوام کے سارے حقوق سلب کر لئے جاتے ہیں اور عوام کو تربیتی کیمپ کی زندگی گزارنی پڑتی ہے اس کا اندازہ صرف پولینڈ کے اعداد و شمار سے کیا جا سکتا ہے۔ مغربی یورپ اور امریکہ کے بینکوں کا جو پولینڈ پر قرض ہے اس کی قیمت ۲۶ بلین ڈالر ہے پولینڈ اس قرض کو کسی حال میں ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس صرف سود کا ایک حصہ ادا کرنے کے لئے پولینڈ مغربی بینکوں سے مزید ۳۵۰ ملین ڈالر کا قرضہ چاہتا ہے تاکہ پانچ سو ملین ڈالر کا کچھ حصہ ادا کر سکے مغربی ملکوں کے بائیکاٹ کے نتیجہ میں پولینڈ کے لوگ بھکمری سے دوچار ہیں اگر یہ بائیکاٹ جاری رہے تو بڑی تعداد میں لوگ موت کا شکار ہو سکتے ہیں، روس اس کی مدد اس لئے نہیں کر سکتا کہ وہ غذا اور دوسری ضروریات میں خود مغربی ملکوں کا محتاج ہے اسی وجہ سے گھٹن اور دل برداشتگی کے آثار اشتراکی دنیا میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں اور مشرقی یورپ روسی قبضہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی کر رہا ہے جس کا مظاہرہ گذشتہ بیس سالوں میں کئی ملکوں میں ہو چکا ہے۔

جن عرب ملکوں نے اشتراکیت کو اختیار کیا ہے ان کی اقتصادی بدحالی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ان حالات میں صرف سخت گیر فوجی حکومتیں روس کے فوجی مشیروں کے ذریعہ عوام کو اپنے جذبات اور خواہشات کو ظاہر کرنے سے روکے ہوئے ہیں، جب کوئی حاکم اس میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ بدل دیا جاتا ہے۔ شام، یمن اور لیبیا میں روسی مشیروں کی تعداد فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، ایسی صورت میں ان ملکوں میں نظام کی تبدیلی یا زندگی میں کوئی اصلاحی کوشش روس کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اگر اس کے آثار ظاہر ہوں اور ان حکومتوں کو خطرہ لاحق ہو تو روس مدد کی دعوت کا دعویٰ کر کے براہ راست مداخلت کر سکتا ہے جو اس کے نزدیک عوام کی مدد، ترقی کی رفتار کو باقی رکھنے اور سامراج سے حفاظت اور دوستی کا حق ادا کرنے کے لئے اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے اور جس پر وہ بڑی پابندی اور اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہے، اس کے کارخانوں کی آواز پر اس کے ٹینکوں کی آواز ہمیشہ غالب رہتی ہے البتہ اس کے ریڈیو اور وسائل ابلاغ میں

(بقیہ ص ... پر)

مولانا محمد ثانی حسنی

حجاز
۳۵ سال پہلے، ۳۵ سال بعد

۱۵ فروری ۱۹۸۲ء مطابق ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو مکہ مکرمہ اصلاح المساجد کا جلسہ ہوا تھا اس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب نے شرکت کی مولانا کے اس سفر میں میں ساتھ تھا، حرمین شریفین میں یہ میری تیسری حاضری تھی جو ۳۳ سال بعد ہوئی تھی میں نے اس سفر کی روداد لکھی تھی، پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلی حاضری ۱۹۴۷ء اور اس کے بعد کے حالات پر تھوڑی سی روشنی ڈالی جائے۔

اب سے ۳۵ سال پہلے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے ساتھ مجھ کو حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور تقریباً اس سفر حج میں ۶ مہینے لگے، وہ مولانا کا اور میرا پہلا سفر تھا اس سفر کے وقت میری عمر ۲۱ سال اور مولانا مدظلہ کی عمر ۳۳ سال کی تھی جہاں تک میرا خیال ہے اس وقت تک مولانا کی ملاقات جن عرب علماء سے ہوئی تھی ان میں شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی (جو مولانا کے استاذ بھی تھے)، شیخ محمود شمویل مکی، شیخ عطیہ، شیخ محمد العربی المراکشی، مفتی امین الحسینی، شیخ علوبا باشا قابل ذکر ہیں جو ۱۹۳۲ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ آچکے تھے اور یہیں ملاقات ہوئی تھی۔

۲۶ جون ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ سے لاہور ہو کر پھر کراچی اور چند یوم کراچی میں رک کر اسلامی جہاز سے حجاز روانگی ہوئی تھی، وہ سفر بڑے کیف و سرور، ذوق و شوق، سرمستی اور بے خودی کے ساتھ ہوا تھا، اس وقت مولانا کے ساتھ ان کا ایک عربی مقالہ "الی ممثلی البلاد الاسلامیۃ" تھا جو ۱۹۴۶ء میں عرب ممالک کے سفراء اور نمائندوں کی دہلی میں منعقدہ کانفرنس میں پیش کرنے کے لئے لکھا گیا تھا اور خود مولانا نے اس کو پڑھا تھا۔ وہ مقالہ راستہ میں ان عربوں کو دیتے تھے جو ملتے رہتے تھے، جیسے کامران کے ساحل پر جہاز رکا اور بندرگاہ کے ذمہ دار جہاز پر آئے تو ان کو بھی دیا گیا۔

۲۹ شعبان کو جدہ پہونچے، اور دوسرے ہی دن یکم رمضان کو لاری کے ذریعہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور ۳ رمضان المبارک کو مدینہ منورہ پہونچے اور باب جبریل کے قریب ایک مکان میں قیام کیا اور ۱۶ ذیقعدہ تک قیام رہا اس قیام کے دوران جن مشہور شخصیات سے ملاقات رہی ان سے گفتگو ہوئی اور مذکورہ بالا رسالہ دیا گیا ان میں قاضی مدینہ شیخ بن زاحم، مدیر مکتبہ شیخ الاسلام شیخ حمدی، شیخ بن ترکی، حرم نبوی کے اس وقت کے مدرس محمد علی الحرکان جو اب رابطہ عالم اسلامی کے امین عام ہیں، شیخ عبدالرحمٰن الافریقی جو مدرسہ دار الحدیث کے مدرس بھی تھے اور حرم نبوی میں حدیث کا درس بھی دیتے تھے، شیخ عبدالرحمٰن المدنی مدیر مدرسۃ التہذیب، مولانا محمود احمد صاحب حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بھائی جو مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ کے ناظم تھے مولانا عبدالکریم بنگالی، مولانا عبدالغفور نقشبندی امام مسجد نبوی، شیخ صالح شیخ القراء، شیخ حسن المقری، شیخ محمود الشریف المصری اور شام، سوڈان، ترکی کے علماء خصوصاً شیخ علی الترکی، شیخ عثمان الترکی جنھوں نے دوسرے علماء سے تعارف کرانے میں بڑا حصہ لیا تھا مدینہ منورہ میں رمضان المبارک عجیب کیف و سرور سے گذرا تھا تراویح کے بعد پورے صحن مسجد نبوی میں جگہ جگہ نوافل کی جماعتوں کے پر کیف مناظر بھلائے نہیں جا سکتے۔ مولانا نے میرے ذمہ ایک یہ خدمت رکھی تھی کہ ایک صاحب خیر کی دی ہوئی رقم مدینہ کے غرباء خصوصاً بیواؤں میں تقسیم کروں، میں کسی سے واقف نہ تھا اس لئے مکتبہ شیخ الاسلام کے مدیر شیخ حمدی ترکی جو مدینہ پاک کے غریب گھرانوں سے بخوبی واقف تھے میرے ساتھ ہوتے اور تراویح کے بعد تنگ گلیوں میں لے چلتے، دروازہ کھٹکھٹاتے اور یا ھو کہہ کر بلاتے، غریب عورتیں دعائیں دیتیں، دروازے کے پاس آتیں، شیخ مجھ سے کہتے اتنے ریال دو میں دیتا پھر آگے چلتے۔ رمضان المبارک میں عموماً افطار کے وقت جو مسجد نبوی میں ہوتا تھا یا تراویح کے بعد ان مجالس میں جو اسی کام کے لئے مختلف مکانوں میں ہوتی تھیں، علماء و مشائخ اور اہل علم سے دینی گفتگو مولانا فرماتے اور تعارف کراتے۔ رمضان بعد مولانا نے زاد المعاد کا خلاصہ کرنا شروع کیا اور غزوۂ احد کا حال جبل احد کے میدان کی مسجد میں مجھ سے لکھوایا سامنے سیدنا حمزہؓ کا مزار تھا لکھنے والے اور لکھانے والے دونوں آبدیدہ تھے ان کے علاوہ مختلف اوقات میں اجتماعات ہوتے تھے اور مجلسیں ہوتی تھیں جن میں دیار نبوی علیہ الصلاۃ والسلام اور نزدیک و دور کے علماء و اساتذہ، ادباء اور عمائد حکومت شریک ہوتے تھے ان کو بھی یہی رسالہ دیا جاتا تھا اور اس کے ذریعہ تعارف ہوتا تھا ان اجتماعات میں ایک اجتماع بڑا کامیاب رہا وہ اجتماع مدرسہ شرعیہ میں ہوا جس میں مصر کے کثیر التعداد علماء شریک ہوئے تھے اور اس جلسہ کے بعد دینی کام کا حلقہ وسیع ہو گیا۔

مکہ مکرمہ کا قیام اور مشہور شخصیات سے تعارف:

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ کے بعد مکہ مکرمہ حاضری ہوئی اور محرم الحرام تک قیام رہا، اولاً رباط ٹونک اور پھر مدرسہ فخریہ جو باب ابراہیم پر واقع تھا قیام رہا مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران جن مشہور شخصیات سے تعارف موانست اور مجالست رہی انکی سرفہرست شیخ عبدالرزاق حمزہ امام حرم، شیخ عمر بن حسن آل الشیخ، شیخ الاسلام عبداللہ بن الحسن آل الشیخ، شیخ امین الکتبی مدرس حرم، شیخ حسن مشاط، مدرس حرم شیخ محمد بن العربی، مدرس حرم شیخ علی علوی مالکی مکی، مدرس حرم شیخ عبداللہ الساسی (مدیر المدرسۃ العزیزیہ) شیخ عبدالوہاب الدہلوی، شیخ عبدالقدوس انصاری (مدیر المنہل) اور شیخ محمود شمویل مصری، شیخ ابراہیم الغزاوی شاعر ہیں ان شخصیات کے علاوہ امیر مساعد بن عبدالرحمٰن آل سعود اور منصور بن عبدالعزیز وزیر دفاع مرحوم اور ان میں سب سے ممتاز اور صاحب اثر و رسوخ معالی الشیخ محمد سرور الصبان تھے جو اس وقت نائب وزیر مالیات تھے اور پھر وزیر مالیات ہوئے ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں رابطہ کے قیام کے وقت اس کے پہلے سکریٹری جنرل ہوئے، مولانا کا ان سے بہت تعلق تھا اور آخر تک رہا۔ ان کے نام مولانا نے ایک مؤثر خط بھی لکھا تھا، ان کے علاوہ دوسری علمی سیاسی ملکی اور غیر ملکی علمی اور دینی شخصیات تھیں جن سے بار بار ملنا ہوتا تھا اور تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔ مولانا مکہ مکرمہ کے ۳ مہینے کے قیام کے دوران جن میں ایام حج بھی پڑے تھے جن کے صدقہ میں دنیا بھر سے آئے ہوئے علماء اور مشائخ اور ادباء، اور اہم شخصیات سے ملاقاتیں رہیں اور یہ رسالہ ان کو دیا جاتا رہا اور اس رسالہ نے بڑا مؤثر رول ادا کیا تھا مکہ مکرمہ کے مشہور عربی مدرسہ (مدرسہ صولتیہ جو ایک علمی، تعلیمی، تدریسی، اور تعارفی مرکز تھا جس میں سارے عالم کے علماء، مشائخ، ادباء جمع ہوتے تھے اور ہندستانی حجاج کا مرکز بھی تھا اسی طرح دنیا کے مختلف خطوں کے طلباء زیر تعلیم تھے اور اب بھی زیر تعلیم ہیں کے ناظم مولانا محمد سلیم صاحب جو بانی مدرسہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے جانشین اور پوتے تھے مولانا ابوالحسن علی ندوی کے علمی و تعارفی کام میں بڑا حصہ لیا تھا ان کا مدرسہ علماء و ادباء اور شخصیات اسلامی سے تعارف کے سلسلہ میں ایک بڑا مرکز ثابت ہوا خدا مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی کی مغفرت فرمائے اور ان کی علمی کوششوں کو بار آور فرمائے اور ان کے جانشین اور فرزند مولانا محمد شمیم صاحب (جو اس وقت اس مدرسہ کے ذمہ دار ہیں اور اپنے والد ماجد کی طرح علماء اور عمائد مملکت میں رسوخ رکھتے ہیں) کی مدد فرمائے

حج کے بعد مدرسہ صولتیہ میں ایک بڑا جلسہ کیا گیا اور مولانا کا اسی میں خطاب ہوا اس جلسہ میں نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر و شام، عراق، ٹیونس اور مراکش، انڈونیشیا ویتنام تک کے طلباء، علماء اور حجاج شریک ہوئے تھے۔

اس پہلے سفر کے بعد حضرت مولانا ۱۹۵۱ء میں حجاز گئے، اس سفر میں برادر عزیز مولوی محمد رابع ندوی، مولوی سید محمد ظاہر صاحب مظاہری اور مولوی عبداللہ عباس، مولوی رضوان ندوی ساتھ تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ سفر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کی ہمرکابی میں ہوا، حجاز میں ایک سال پہلے سے مولوی معین اللہ صاحب ندوی اور مولوی عبدالرشید ندوی مقیم تھے، مولانا کا ۱۹۵۰ء کا سفر بڑا متنوع تھا، اس ایک سالہ قیام و سفر میں بے شمار اہل علم سے تعارف ہوا، شام و مصر کا سفر کیا اور ادبی حلقے متعارف ہوئے۔

علمی اور دعوتی سرگرمیاں:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے پہلے سفر ۱۹۴۷ء ہی سے علمی اور دینی اور دعوتی کام شروع کر دیا تھا، پہلے سفر کے وقت جو شاہ ابن سعود بن عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن بانی حکومت سعودیہ کا عہد حکومت تھا اور ملک میں اسلامی حدود قائم تھے۔ بدامنی بالکل ختم ہو چکی تھی اسلامی شعائر زندہ و تابندہ تھے اور ملک دینی و دنیاوی ترقی کی راہ پر گامزن تھا لیکن مغربی تہذیب کے تھوڑے، تھوڑے اثرات شروع ہونے لگے تھے، مولانا نے اس وقت کے ولی عہد شہزادہ سعود ابن عبدالعزیز کے نام ایک خط لکھا جو جہاز پر بیٹھنے وقت پہلے شیخ عمر بن الحسن آل الشیخ رئیس محکمۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بھیجا اور ان کے واسطے سے امیر سعود کو ملا انھوں نے اس خط کو سنا اور دلچسپی کا اظہار کیا اس خط میں حجاز کی تاریخ، اہمیت، اور علم حکمرانوں کی خدمات اور موجودہ حکومت کی ذمہ داری پر روشنی ڈالی تھی اس کے بعد شاہ فیصلؒ سے ملاقاتیں بھی کیں اور خطوط بھی لکھے، اسی طرح شہزادہ فہد ولی عہد حکومت سعودیہ شیخ حسن بن عبداللہ ابن الحسن آل الشیخ وزیر المعارف کی دعوت پر ریاض گئے، تقریریں کیں اور وزیر موصوف کو خطوط لکھے جن میں حکومت سعودیہ کے خدمات کی تعریف اور مغربی تہذیب کے اثرات پر اندیشے ظاہر کئے اور سعودی حکومت کے نئے نئے منصوبوں پر تبصرہ کیا، یہ زمانہ وہ تھا جب نہ پٹرول کی اتنی فراوانی تھی نہ دوسرے ممالک سے نوکری کے خواہش مند حضرات کی ریل پیل تھی نہ مغربی تہذیب کے گہرے اثرات پڑنے شروع ہوئے تھے لیکن مغربی تہذیب دیار مقدسہ کے دروازے پر دستک دے رہی تھی اور مولانا بہ ابوالحسن علی صاحب ندوی ماحول کا پوری طرح جائزہ لے کر اپنے اندیشوں کا اظہار ان الفاظ میں کر رہے تھے۔

"اس منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ سادگی، اصلیت اور کسی قدر زہد و تقشف کی رعایت ہی رہنی چاہیئے، جس سے دور دراز مقامات سے آنے والے اس ماحول اور فضا کو محسوس کر سکیں جہاں میں اگلے مسلمان اپنا حج ادا کرتے تھے اور ان میں ان جیسا شعور بیدار رہے ایسا نہ ہو کہ حرم شریف میں عبادت و سکینت کا ایک مخصوص جزیرہ بن کر رہ جائے جس کے ارد گرد مادی تہذیب کا سمندر موجیں مار رہا ہو اور اس کی سرکش لہریں اس کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہوں اور بڑھتی چلی آتی ہوں۔"

۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک مولانا نے حجاز کا کوئی سفر نہیں کیا بلکہ ۵۶ء میں شام کا سفر کیا اور دمشق کی یونیورسٹی میں محاضرات پیش کئے اسی دوران اردن اور بیت المقدس کا سفر کیا۔ ۱۹۶۱ء میں حجاز کا پھر سفر کیا اور الجامعۃ الاسلامیۃ لمدینۃ المنورۃ کے تاسیسی رکن بنے اس لئے اس کے اجتماعات میں برابر شرکت کرتے رہے۔ رابطہ کے جلسوں میں بھی جاتے رہے اور اپنے قیام کے دوران بے شمار شخصیات سے ملاقاتیں کرتے رہے، اس درمیان مولانا کے مقالے، کتابیں اور دعوتی رسالے طبع ہوئے اور ان تمام شخصیات کو پہونچے جن سے تعارف ہو چکا تھا۔

علمی حلقے:

پہلے سفر حجاز میں جو ۱۹۴۷ء میں ہوا تھا جن شخصیات سے تعارف ہوا ان کا ذکر آچکا ہے ۱۹۵۱ء کے سفر و قیام میں اور اس کے بعد جن شخصیات سے تعارف ہوا یا جن اداروں سے وابستگی ہوئی یا جن علاقوں کا سفر کیا وہ انگلیوں پر گنے نہیں جا سکتے مختصراً ۱۹۵۱ء میں جن سے تعارف ہوا اور ربط بڑھا ان میں سرفہرست شیخ صالح قزاز (جو شیخ سرور الصبان کے بعد رابطہ کے جنرل سکریٹری ہوئے) شیخ عبدالغفور عطار، شیخ سعید الحامودی، شیخ احمد محمد جمال، شیخ محسن بارودم، شیخ علی مذعق جو بعد میں جدہ کے میئر کے عہدہ تک پہونچے، وغیرہ ہیں ان کے ذریعہ مولانا کے رسائل، کتابیں اور دعوتی خطابات ہر حلقہ میں پہونچے اور علماء، ادباء، اور عمائد سلطنت تک ان کی آواز پہونچی اور بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں خطابات ہوئے اور مؤثر تقریریں ہوئیں۔

تبدیلیاں:

۱۹۴۷ء کے سفر میں دیار حرم میں بہت کچھ پرانی قدریں موجود تھیں، مغربی تہذیب کی نہ اتنی یورش تھی نہ اتنی ظاہری چمک دمک، نہ پٹرول کی اتنی فراوانی، نہ کاروں اور ہوائی جہازوں کی اتنی کثرت نہ باہر سے آئے ہوئے قدردانوں اور ناقدروں کا ہجوم جو اس وقت ملازمت کی خاطر یا تجارت کی ہوس میں اس دیار پاک کے ادب و احترام سے نابلد بن کر امنڈتا چلا آرہا ہے۔

حرم مکی اور حرم مدنی ترکی تعمیر پر تھے حرم سے متصل مکانات تھے، پرانی گلیاں تھیں، مسعیٰ حرم سے الگ تھا اور بازاریں تھا، موٹروں اور خرید و فروخت کرنے والوں کی آمد و رفت کی بنا پر سعی میں خلل ہوتا تھا اب مسعیٰ حرم میں آگیا دو منزلہ ہے اور وسیع ہو گیا ہے صفا کا محلہ نہیں سڑکیں بن گئیں باب ابراہیمؑ کی طرف چوڑی سڑک ہو گئی، جو حرم کے چاروں طرف چلی جاتی ہے، نئے نئے دروازے بن گئے، باب السعود، باب العمرہ اور باب السلام مرکزی دروازے ہیں حرم کا دالان دو منزلہ ہے اور نیچے تہ خانے بن گئے ہیں، حرم مکی میں صحن باقی تھے زمزم کا کنواں مکشف حصہ میں تھا اب اس کو بند کر دیا گیا ہے اور اس پر ایک ڈھکن رکھ دیا گیا ہے اور اس پر برنز زمزم لکھ دیا گیا ہے۔ اندر اندر پائپ ڈال دئے گئے ہیں اور حرم کے باب السلام کے قریب تہ خانے میں زمزم کی ٹونٹیاں لگا دی گئی ہیں جو درجنوں ہیں، مردوں کا الگ اور عورتوں کا الگ انتظام ہے مقام ابراہیمؑ چوڑے چکلے کمرہ میں تھا اب مختصر کر دیا اور ایک بلند منبر تھا جو اب نہیں ہے، اسی طرح مطاف سے متصل باب السلام کے نام سے ایک دروازہ تھا جو اب باقی نہیں، صحن حرم میں پتھر کے راستوں کے درمیان کنکریاں تھیں اب سنگ مرمر کا مسطح فرش ہے زمزم پلانے والے صراحیوں میں زمزم لیکر کٹوریاں بجاتے چلتے تھے اور پانی پلاتے تھے اغوات بکثرت تھے اور صحن صاف کرتے ہوئے ایک صف میں ہو کر فوجیوں کی طرح ایک ساتھ قدم اٹھاتے، زبانوں پر تسبیح و تقدیس کے کلمات پڑھتے ہوئے ایک ساتھ جھاڑو لگاتے ہوئے چلتے، یہ منظر بڑا پر کیف ہوتا تھا اب صرف دو تین اغوات رہ گئے جو نماز کے وقت عورتوں کو طواف شروع کرنے سے منع کرتے ہیں جگہ جگہ قرآن شریف ترتیل کے ساتھ پڑھتے اور ہر جگہ سننے والوں اور تحمید و تقدیس کرنے والوں کا مجمع ہوتا، علماء کی مجلسیں ہوتیں اور مدرسین جگہ جگہ حلقہ لگائے درس دیتے، طواف کرنے والوں کی آوازوں مستلزم پر رونے والوں کی، ہچکیوں، حجر اسود پر پروانہ وار گرنے والوں کے بوسوں اور استلام، زمزم پینے والوں کا ہر زمزم پر ہجوم اور پلانے والے ڈول سے زمزم پلاتے اور لوگ پیتے تھے نہاتے تھے اور ان کی زبان حال پر ہوتا ؎

مرے ساقیا مرے ساقیا، تجھے مرحبا تجھے مرحبا
تو پلائے جا تو پلائے جا اسی چشم جام بجام سے

اور کئی کئی موذنوں کی ایک ساتھ اذان دینے کی دل آویز آوازوں سے حرم کے اندرونی حصوں اور متصل پہاڑوں سے ٹکرا کر گونج اور امام کی تکبیر پر مکبرین کی تکبیروں کی دل کش آوازوں کا منظر دل و دماغ پر ایسا طاری ہے کہ زندگی بھر نہ بھولے گا۔

تو رہ بہار تازہ دنیائے رنگ و بو کی
اک بار جس نے دیکھا تھا حشر آرزو کی

مسجد نبویؐ سے متصل عمارتیں تھیں، گلیاں تھیں، بازار تھے، ربا طیں تھیں، اب اضافہ کے بعد دور دور تک صفائی ہو گئی ہے کہ اشتراکی دنیا کا اقتصادی بائیکاٹ کر دیں تو

آثار قدیمہ باقی نہیں رہے اور مغربی تہذیب و تمدن اور نئے نئے منصوبوں کے تحت تبدیلیاں ہو گئی ہیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد جگہ کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ مسجد نبویؐ کے باہر باب الرحمۃ اور باب السلام کے سامنے مناخہ تک میدان ہو گیا اور نماز پڑھنے والوں کے لئے شیڈ ڈال دئے گئے باب جبریلؑ کے سامنے راستہ چوڑا کر دیا گیا جہاں صرف ایک گلی تھی، بقیع کو وسیع کر دیا گیا اور ہر طرف مضبوط حصار بنا دیا گیا، اندر جانا، فاتحہ پڑھنا ممنوع ہے، اسی کی وجہ اہل بدعت اور اصحاب تشیع کی بے اعتدالیاں اور شرکانہ اعمال ہیں، سڑکیں چوڑی کر دی گئیں، جبل احد کے دامن میں ایک وسیع آبادی ہو گئی اور شہر آباد ہو گیا، سیدنا حمزہؓ کے مزار کے چاروں طرف بڑا احاطہ بنا دیا گیا جس کے اندر جانا منع ہے، قبا، وسیع سے وسیع تر کر دیا گیا، ہر طرف سڑکیں اور راستے نکال دئے گئے، حرہ کی طرف جبل احد کے آگے ایک ہوائی اڈہ کی تعمیر ہو گئی اور دور دور تک محلے آباد ہو گئے اور عوالی میں جو نخلستان تھا اب ایک مسلسل آبادی کی شکل میں ہے اس طرح مکہ مکرمہ میں منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں تبدیلیاں ہو گئیں جو پہچاننے میں نہیں آتیں خصوصاً منیٰ میں رمی جمرات کی جگہ پر پل بنا دئے گئے کہ ایک ساتھ ہزاروں حجاج رمی کر سکیں اور کوئی حادثہ نہ ہو، آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ حجاج کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں حجاج کی تعداد سوا لاکھ تھی ۱۹۸۱ء میں اٹھارہ لاکھ ہو گئی اس لئے یہ توسیع بھی اب ناکافی ہو رہی ہے اور توسیع کا سلسلہ جاری ہے۔

بقیہ ص: ۴

کارخانوں کی آواز اور انسانی حقوق کے نغمے زیادہ طاقت میں سنائی دیتے ہیں۔

روسی اثر اور نفوذ، بلکہ کیمونسٹ نظام کی بقا اب صرف فوجی وسائل کے ذریعہ ممکن ہے، اس نظریہ کا کھوکھلا پن اور زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں ناکامی کھل کر سامنے آچکی، اگر مغربی ممالک کسی وقت سنجیدگی سے دنیا دیکھ سکتی ہے کہ کیمونزم نے ان ملکوں کو جہاں اس کے نافذ کرنے کے لئے لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا اور ساری آزادیاں سلب کر لی گئیں اور آہنی حصار میں ایک مدت گزاری گئی، کیا دیا، اور ان ملکوں کے کتنے مسائل حل ہوئے۔

غالباً روس کے مفکر اس نزاکت کو سمجھنے لگے ہیں اسی لئے اب وہ فوجی طاقت پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں، بہ نسبت نظریاتی یا عقلی جد و جہد کے، اور اسی طرح وہ اب اس راستہ پر گامزن ہے جو راستہ سامراجی طاقتوں کا راستہ ہے۔

بقیہ ص: ۲

ہے، دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کر ان کو الگ نہیں کرتا، پھر سنتیں ادا کرتا ہے، خطبہ شروع ہونے پر خاموش رہتا ہے تو اس کے پچھلے جمعہ تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

بقیہ ص: ۱۴

مولانا مدظلہ، کی افتتاحی تقریر کے بعد صدر شعبۂ فقہ و مفتی دار العلوم مولانا محمد ظہور صاحب ندوی نے "ہدایہ اور صاحب ہدایہ" پر اپنا مقالہ پیش کیا، جس میں صاحب ہدایہ کی حیثیت، طبقہ فقہاء میں ان کا مرتبہ مسائل پر ان کا ادراک اور ان سے استنباط کی بے نظیر صلاحیت اور دوسری خصوصیات پر بھرپور روشنی ڈالی، اور ہدایہ کی افادیت اور موجودہ دور میں اس کی اہمیت ثابت کی۔ مفتی صاحب نے مقالہ کے اخیر میں دس ایسے عنوانات پیش کئے جن میں موجودہ زمانے کے فضلاء اور فقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات اور طلبہ کے لئے دعوت عمل ہے۔

اس کے بعد مولانا ضیاء الحسن صاحب ندوی صدر شعبۂ حدیث نے "السنن الکبریٰ للبیہقی" پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے

قرآن کی فریاد

قاضی رؤف انجم، بارسی ٹاکلی

آیا تھا میں جہاں کی ہدایت کے واسطے
نعوذ بن کے رہ گیا برکت کے واسطے

جُزدان میں ملائم و بہتر مرے لئے — ہے مسجدوں میں تختۂ منبر مرے لئے
گھر میں ہیں عطر دان معطر مرے لئے — محراب جان ستھرے ہیں اکثر مرے لئے
میرا وجود ہو گیا زینت کے واسطے
آیا تھا میں جہاں کی ہدایت کے واسطے

تھکڑے میں دو فریق کے لایا گیا مجھے — ثالث بنا کے خون رُلایا گیا مجھے
لکھ لکھ کے بازوؤں پہ سجایا گیا مجھے — قسموں کے اعتبار سے کھایا گیا مجھے
مصرف ہے آج میرا جہالت کے واسطے
آیا تھا میں جہاں کی ہدایت کے واسطے

بچوں کو مار پیٹ کے پڑھوا دیا گیا — جبراً کسی غریب کو رٹوا دیا گیا
مسجد میں تختۂ مجھے بھجوا دیا گیا — افسوس! زندگی سے نکلوا دیا گیا
تعظیم ہے تو صرف تلاوت کے واسطے
آیا تھا میں جہاں میں ہدایت کے واسطے

مسلم کو مجھ سے کوئی سروکار کیوں نہیں — مسلم جہان خواب سے بیدار کیوں نہیں
مسلم کو مجھ سے اُنس میرا پیار کیوں نہیں — مسلم مرے وجود کا شہکار کیوں نہیں
بھولا گیا ہوں صرف سہولت کے واسطے
آیا تھا میں جہاں میں ہدایت کے واسطے

انجم مرے اصول مرا طرز و بانکپن — پہنا دیا گیا مجھے حالات کا کفن
غیروں سے کیا ہو شکوۂ آداب انجمن — اپنوں ہی میں نہیں رہا تسلیم کا چلن
محفوظ ہو گیا ہوں قیامت کے واسطے
آیا تھا میں جہاں کی ہدایت کے واسطے

علامہ بیہقیؒ کی عظمت، جلالت شان اور علم حدیث پر ان کے عبور کا ذکر کیا اور ان کی کتاب کی اہمیت و افادیت پر کھل کر اظہار خیال کیا۔

آخر میں مولانا عتیق احمد صاحب بستوی نے "تفسیر ابن کثیر" پر اپنا مقالہ پیش کیا لیکن وقت کی تنگ دامنی نے مقالہ کا ساتھ نہ دیا اور مسجد کے میناروں سے اذان کی صدا بلند ہوئی۔

اساتذۂ کرام اور طلباء کی کثیر تعداد نے ہر تن شوق ہو کر اس مجلس سے بھرپور استفادہ کیا۔ اخیر میں صدر کلیۃ الشریعہ کے شکریہ پر مجلس اختتام کو پہونچی۔

اداریہ

فقہ کا صفحہ

جن مسائل کا جاننا ضروری ہے

سوال: ایک شخص کا جس کے ذمے چند روزے باقی تھے انتقال ہوگیا۔ اب ان روزوں کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ کیا کوئی دوسرا شخص مرنے والے کی طرف سے روزہ رکھے تو اس کے روزے ادا ہوجائیں گے؟ اور اس کی معافی ہوجائیگی؟

جواب: کسی دوسرے شخص کے روزہ رکھنے سے مرنے والے کے روزے ادا نہ ہوں گے اور وہ بری الذمہ نہیں ہوگا اس کے روزوں کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ اگر مرنے والے نے ان روزوں کی ادائیگی کی وصیت کی ہے اور مال چھوڑا ہے تو اس کے تہائی ترکہ سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی، ہر روزہ کے عوض ایک کلو ۵۲۰ گرام گیہوں یا اس کی قیمت ہوگا یعنی ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ۹ کیلو اور ۱۲۰ گرام گندم یا اس کی قیمت ہوگا۔ اس حساب سے جتنے روز کی نمازیں فوت ہوئی ہیں ان کا فدیہ نکالا جائے گا۔

یہاں پر دو باتیں خاص طور سے قابل توجہ ہیں، ایک یہ کہ مرنے والے کی وصیت اس کے ترکہ کے صرف ایک تہائی حصہ میں جاری کرنا وارثوں پر لازم ہوگا، ایک تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ہو تو وہ سب وارثوں کی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے۔ اگر وہ سب یا ان میں سے کوئی اجازت نہ دے تو مشترکہ ترکہ سے وصیت پوری نہیں کی جاسکتی اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت بھی معتبر نہیں ہے اس کے حصے پر ایک تہائی سے زائد کی وصیت کا کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ جس شخص نے وصیت کی ہو اور مال بھی اتنا چھوڑا ہو کہ اس کے ایک تہائی میں ساری وصیتیں پوری ہوسکیں تو دصی اور وارثوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس کی وصیت کو پورا کریں۔ اس میں کوتاہی کریں یا میت کا مال ہوتے ہوئے اس کے نماز روزہ کے فدیہ میں جلد حوالہ پر اعتماد کرکے مال کو خود تقسیم کرلیں تو گناہ ان کے ذمہ رہے گا۔

سوال: ایک شخص نے ظہر کی سنتیں شروع کی تھیں کہ جماعت کھڑی ہوگئی اب وہ کیا کرے، نماز کو توڑ کر جماعت میں شریک ہوجائے یا سنتیں مکمل کرنے کے بعد جماعت میں شریک ہو؟

جواب: اگر اس نے ابھی نماز شروع کی تھی اور پہلی رکعت مکمل نہیں ہوئی تھی تو کھڑے کھڑے سلام پھیر کر نماز توڑ دے اور جماعت میں شریک ہوجائے اور بعد میں سنتوں کی قضا کرے، اگر اس نے ایک رکعت مکمل کرلی تھی تو ایک رکعت اور ملاکر دو رکعت پر سلام پھیر دے اور جماعت میں شریک ہوجائے اور فرض کے بعد سنتوں کی قضا کرے، اگر اس نے سنت کی تین رکعتیں پڑھ لی تھیں تو وہ اب سنت کی چاروں رکعتیں مکمل کرلے اور اس کے بعد جماعت میں شریک ہو۔

سوال: ایک شخص مسجد میں پہنچا تو فجر کی جماعت کھڑی ہوچکی تھی، وہ فجر کی سنتیں پڑھے یا جماعت میں شریک ہوجائے؟

جواب: اگر اسے ظن غالب ہو کہ دو رکعت فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد دوسری رکعت میں امام کو پالے گا تو وہ مسجد کے باہر کسی جگہ یا مسجد کے کسی کونے میں سنتیں پڑھ لے اس کے بعد جماعت میں شریک ہو، اگر دوسری رکعت میں امام کو پانے کے بارے میں ظن غالب نہ ہو تو ایسی صورت میں سنتیں چھوڑ دے اور امام کے ساتھ شریک ہوجائے بعض لوگ صفوں کے اندر ہی سنتیں شروع کردیتے ہیں یہ مناسب نہیں ہے، جو لوگ جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں آئیں یا جماعت کھڑی ہونے کے قریب آئیں ان کو چاہیے کہ وہ صفوں سے الگ کسی گوشہ میں سنتیں پڑھیں۔

سوال: اقامت کے کلمات عام مسجدوں میں دو دو بار کہے جاتے ہیں جب کہ بعض دوسری مسجدوں میں ایک ایک ہی مرتبہ کہے جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اور کون سی صورت بہتر ہے؟

جواب: سنت سے دونوں ہی ثابت ہیں البتہ اذان کے نزدیک اقامت کے کلمات کو دو دو مرتبہ کہنا افضل ہے جب کہ بعض دوسرے ائمہ کے یہاں ایک ایک مرتبہ کہنا افضل ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے بلکہ افضل اور غیر افضل کا ہے۔ اقامت کہنے والا اگر حنفی المسلک ہو تو اسے دو دو مرتبہ ہی کہنا چاہیے لیکن اگر کسی دوسرے مسلک کا پیرو کار اپنے مسلک کے مطابق ایک ایک مرتبہ ہی اقامت کے کلمات کہے تو اس سے انقباض محسوس نہیں کرنا چاہیے اور نہ الجھنا چاہیے کیونکہ یہ بھی سنت سے ثابت ہے۔

سوال: ایک شخص وتر کی نماز پڑھ رہا تھا، تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد وہ رکوع میں چلا گیا، رکوع میں یاد آیا کہ اس نے دعائے قنوت نہیں پڑھی، چنانچہ رکوع سے اٹھنے کے بعد اس نے دعائے قنوت پڑھی اس کے بعد سجدہ میں گیا تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: اگر کوئی شخص وتر میں دعائے قنوت بھول کر نہ پڑھے اور رکوع میں چلا جائے تو رکوع سے اٹھنے کے بعد دعائے قنوت نہیں پڑھے گا بلکہ اخیر میں سجدہ سہو کرلے گا اس کی نماز ہوجائے گی۔ لیکن اگر کسی نے رکوع سے اٹھنے کے بعد دعائے قنوت پڑھ لی ہے تو اس کی نماز ہوجائے گی۔ البتہ اس کے ذمہ بھی سجدہ سہو واجب ہوگا، کیونکہ رکوع کے بعد فوراً سجدہ کرنا واجب ہے۔ اس نے رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھی جس کی وجہ سے سجدہ کرنے میں تاخیر ہوئی اور ایک واجب چھوٹ گیا اور واجب کے چھوٹنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

سوال: ایک شخص وتر کی نماز پڑھ رہا تھا تیسری رکعت کے بعد قعدہ کو قعدۂ اولیٰ سمجھ کر اٹھ گیا اور دعائے قنوت کے ساتھ ایک رکعت اور پڑھ لی، بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے وتر کی نماز تین کے بجائے چار رکعت پڑھی ہے۔ اب وہ کیا کرے؟

جواب: اسے وتر کی نماز دہرانی چاہیے اگر اسے نماز ختم کرنے سے پہلے اپنی غلطی کا احساس ہوجاتا اور سجدہ سہو کرلیتا تو اس کی نماز ہوجاتی، دہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن اسے نماز سے فارغ ہونے اور سجدہ سہو کا وقت ختم ہونے کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اس لئے اب اس پر وتر کی نماز کا دہرانا ضروری ہے۔

دار المصنفین اعظم گڈھ

مقاصد، خصوصیات، تعارف

ترتیب و تلخیص: محمود الازہار ندوی

دار المصنفین (شبلی اکیڈمی) جس کا مقصد ملک میں اعلیٰ مصنفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کرنا، بلند پایہ کتابوں کی تصنیف و تالیف و ترجمہ اور ان کی اور دیگر ادبی و علمی کتابوں کے طبع و اشاعت کا انتظام کرنا تھا کے تحت قائم ہوئی تھی کیونکہ وہ زمانہ علوم و فنون کی ترقی کا تھا اور ہر زبان اس میدان میں پیش رفت کررہی تھی اور علوم جدیدہ کا جو وسیع ذخیرہ اسی وقت فراہم تھا اس زبان میں اس کا عشر عشیر بھی موجود نہ تھا اس تخیل و مقصد کا عملی جامہ دار المصنفین کی شکل میں ظاہر ہوا۔

دار المصنفین نے اسی تخیل و مقصد کو سامنے رکھ کر اپنے مذہب اپنے ملک اپنے تمدن اپنی تاریخ اپنی زبان اور اپنے ادب کی خدمت کی، ملک و قوم کی تربیت و تعلیم کی خدمت انجام دی، مذہبی علوم کی بقا و حفاظت کی پوری کوشش کی اور اپنے بزرگوں کی متروکہ علمی دولت کی حفاظت کی، پرانے علوم و فنون کو نئے اصول سے مرتب کئے اور زمانہ جدید کے مذاق کے مطابق از سر نو ترتیب دی اور یورپ کے اہل علم جدید کی رطب و یابس تحقیق و تدقیق سے جو مسلمانوں کو نقصان پہونچ رہا تھا اس کی تلافی کی۔

مولانا شبلی نعمانیؒ (موسس دار المصنفین) کی زمانہ شناس نگاہ نے اس نزاکت کا احساس کیا کہ جو زہر مغربی و مسیحی نقطۂ نظر سے اسلامی علوم و آداب پر نظر ڈال کر تحقیق و ریسرچ کے نام سے ایک نیا محاذ بنا کر اسلام اور داعی اسلام اور اسلامی علوم و آداب اور اسلامی تہذیب و تمدن پر آرہا ہے اور رفتہ رفتہ اس رنگ کی تالیفات کا ایک انبار لگ گیا ہے اور اس نوع کی تحقیق کا میدان اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و آداب سے آگے سیر رجال الکلام اور فقہ سے گذر نے کے بعد تصوف، حدیث اور قرآن پر اسی رنگ کے محققانہ لٹریچر فراہم ہورہے تھے اور اگر اس پھیلتے ہوئے زہر کا تریاق نہیں تیار کیا گیا تو ہمارے علوم و فنون کا کیا حال ہوگا اور نوجوان مسلم دماغوں میں کس حد تک سمیت سرایت کریگا اور آپ کو اس تریاق کا نسخہ تیار کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔

آپ نے بے سروسامانی کے باوجود اپنے چند پیکر ایثار و خلوص پر نگاہ ڈالی اور ان کے سامنے تصنیف و تالیف کیلئے ایک مخصوص لائحہ عمل پیش کیا جس میں تصنیف و تالیف کے مختلف عنوان قائم کئے مثلاً فلسفہ جدید کو ملکی زبان میں منتقل کرنا، فلسفۂ جدید کے مسائل پر جدید علم کلام کے رنگ میں روشنی ڈالنا، مختلف علوم، اسلامی تاریخ، اسماء الرجال، معانی و بلاغت اور تحقیقات مذاہب اور علوم جدیدہ کی اسی رنگ کی تالیفات کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں کا موازنہ کرنا اور پھر اسلامی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے انہی عنوانوں پر جدید تالیفات تیار کرنا مخصوص علوم و فنیہ سیرت، حدیث، اصول فقہ، تصوف اور کلام کو نئے رنگ میں پیش کرنا پھر ان علوم اسلامیہ کی تدریجی ترقیوں پر تبصرہ ان کے غلط و صحیح حصوں پر تنقید و اصلاح فارسی، عربی، اور اردو ادبیات کی تاریخ اسلامی تہذیب و تمدن پر مؤرخانہ صحیح تنقید اور پھر تہذیب اسلامی اور تمدن جدید کے تعلقات کی تشریح و تفصیل کرنا تھا۔

۱۹۱۳ء میں مولانا نے ندوہ کی خدمات سے سبک دوشی حاصل کی اور اپنے وطن اعظم گڑھ میں اپنا ایک وسیع باغ اور دو کچے بنگلے وقف کرکے ادارہ کی بنیاد ڈالی اپنی اور اپنے اعزہ کی کتابیں اور سیرت پر جو کتابیں تھیں وہ دار المصنفین کے نام منتقل کردیں خود مولانا کا تو ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال ہوگیا مگر ان کے رفقاء کار بعض سرکاری و نیم سرکاری پابندیوں کی وجہ سے ۴ جون ۱۹۱۵ء کو لکھنؤ میں شبلی اکیڈمی اور دار المصنفین کے نام سے باقاعدہ رجسٹری کرائی اور اسی کے ساتھ دار المصنفین کا کام باقاعدہ شروع ہوگیا۔

اول اول اس ادارہ میں مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد السلام ندوی کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد مختلف اہل قلم وقتاً فوقتاً دار المصنفین کی رفاقت سے وابستہ رہے،

۱۔ مولانا عبد الباری ندوی مرحوم
۲۔ مولانا سید انصاری صاحب مرحوم
۳۔ مولانا حاجی معین الدین صاحب مرحوم
۴۔ مولانا ابو المحسنات صاحب ندوی مرحوم
۵۔ مولانا سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے مرحوم
۶۔ مولانا ابو الجلال صاحب ندوی
۷۔ مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی مرحوم
۸۔ مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی
۹۔ ڈاکٹر محمد عزیر صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی
۱۰۔ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی
۱۱۔ جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم۔ اے

دار المصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڈھ میں

مجلسِ مذاکرہ

دار المصنفین اعظم گڈھ (شبلی اکیڈمی) ماہ رواں کی ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳ فروری کو اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر مذاکرۂ علمی منعقد کررہی ہے۔

اکیڈمی نے اس موضوع پر شرکت کے لئے ہند و پاک کے ممتاز محققین اور عالم اسلام و عالم عربی کے بلند پایہ شخصیتوں کو مقالے تحریر کرنے اور اس میں شرکت کے لئے دعوت نامے بھیجے ہیں اور بیرون ہند بشمول پاکستان کے اہم اشخاص نے اپنی آمد کی منظوری دے دی ہے۔

یہ مذاکرہ دار المصنفین کے کیمپس میں منعقد ہوگا اور اسی میں صبح و شام مذاکرہ کی نشستیں ہوں گی ــــ مذاکرہ کا آغاز بروز یکشنبہ ۲۱ فروری کو ۹½ بجے ہوگا جس میں خطبۂ استقبالیہ، صدارتی خطبہ اور پیغام و فود کے بعد ۳۰-۱۱ سے یہ جلسہ علمی مذاکرہ کی شکل میں بدل جائے گا اور راسا مقالہ پڑھا جائے گا۔ مقالہ کی ترتیب اور مختلف امور کے لئے کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی۔ شام میں بعد نماز عصر علمی نمائش ہوگی اور بعد نماز مغرب تا عشاء مذاکرہ علمی کی نشست ہوگی اسی طرح دوشنبہ کی نشست بھی ہوگی، البتہ سہ شنبہ کو پہلی نشست میں بقیہ مقالے پڑھے جائیں گے اور ۱½ بجے پر جلسے کے بعد اختتامی نشست میں بدل جائے گی جس میں اہم اشخاص کی تقاریر ہوں گی سفارشات کی منظوری ہوگی اور شکریہ پر جلسہ ختم ہوجائے گا۔ اس مذاکرہ کے لئے راسا عناوین یہ ہیں:۔

۱۔ مستشرقین اور قرآن کریم
۲۔ مستشرقین اور سنت نبویؐ
۳۔ مستشرقین اور سیرت نبویؐ
۴۔ مستشرقین اور اسلامی تاریخ
۵۔ مستشرقین اور اسلامی علوم
۶۔ مستشرقین اور اسلامی تصوف

۱۲۔ مولانا محمد ادریس صاحب ندوی مرحوم
۱۳۔ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم
۱۴۔ مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی
۱۵۔ مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی

اب دارالمصنفین کے رفقاء اعزازی نے جو کتابیں تالیف و ترجمہ کیں انکی تعداد ۱۲۰ سے زائد ہے اور صفحات پچاس ہزار کے قریب ہے۔ اس ادارہ سے سیرت، تاریخ علوم و فنون، تاریخ اسلام، حدیث، فقہ، جدید علم کلام، فلسفہ جدید، ادبیات پر کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور قیام دارالمصنفین کے تقریباً دو سال بعد ۷ر جولائی ۱۹۱۶ء سے "معارف" جو شبلی اکاڈمی کا آئینہ دار ہے پابندی سے شائع ہو رہا ہے خود اس ادارہ کا ایک عظیم کتب خانہ ہے اور کتابوں کی طباعت کے لئے پریس ہے۔

اگر دارالمصنفین کی تصنیفات پر عمومی نظر ڈالی جائے تو درحقیقت اس نے مولانا شبلی کے اسی مطمح نظر کو سامنے رکھا ہے جو اس کی بناء و تاسیس کے وقت ان کے پیش نظر تھا اس نے اپنی تصنیفات، تالیفات و تراجم میں دین و دنیا دونوں کو جمع کیا ہے کہ اردو زبان اور اردو داں مسلمانوں کو دونوں کی ضرورت ہے۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جو صرف مشرقی زبانوں سے آگاہ ہے ان لوگوں کے لئے ضرورت تھی کہ جدید علوم اور جدید خیالات کو اردو کا جامہ پہنا کر ان کے سامنے پیش کیا جائے خصوصاً ایسی بلند پایہ محققانہ اور کلاسیکل کتابیں جن کے کسی زبان کو استغنا نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ گروہ ہے جو اسلامی علوم و آداب اور اسلامی تاریخ کا طلبگار ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس گروہ کے سامنے دو جلد کے جدید اصول تربیت و تہذیب کے ساتھ اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و آداب پیش کئے جائیں۔ چنانچہ دارالمصنفین کے ارباب بست و کشاد نے ملک کی ان دونوں ضرورتوں کا احساس کیا اور اس مجلس کی طرف سے دینی و دنیاوی دونوں قسم کی تالیفات و تراجم شائع کئے جو برصغیر میں عام طور پر مقبول ہوئے اور اسی وجہ سے موجودہ ناظم جناب صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کو دارالمصنفین کی کتابوں کے سلسلے میں پاکستانی پبلشروں سے معاہدہ کرنا پڑا۔

دارالمصنفین کی کتابیں ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد ساہتیہ اکاڈمی، دہلی اور حکومت اتر پردیش کی طرف سے انعامات حاصل کر چکی ہیں اور اس کی بہت سی مطبوعات ہندوستانی و پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہو چکی ہیں۔

اس کے علاوہ دارالمصنفین کی خدمات کا اعتراف دمشق کی المجمع العلمی العربی اور مصر کے بلند پایہ رسائل المقتطف، المنار، الزہراء کر چکے ہیں۔ مشہور مستشرق پاوری دوبیر اور مسٹر مرے، پروفیسر براؤن، ڈاکٹر نکلسن اور موسیو لوی ماسان نے دارالمصنفین کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا، انگلستان کے مشہور مستشرق پروفیسر مارگولیتھ اور پروفیسر گولیم ور ہم یونیورسٹی انگلینڈ وغیرہ نے اس ادارے کی محققانہ کاوشوں کے سامنے داعیٔ اسلام علیہ السلام پر الزامات کی جو عمارت کھڑی کی تھی کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے گرا دینا پڑا۔

اسی کے ساتھ دارالمصنفین نے ملک کی دماغی و ذہنی رفتار پر بھی نگاہ رکھی، معارف کی جلدیں اس قسم کے مواد سے لبریز ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ دارالمصنفین کے قیام کے بعد اس قسم کا جب کوئی مخالفانہ لٹریچر کہیں سے شائع ہوا، تو دارالمصنفین نے سلامت روی کے ساتھ اس کا مناسب جواب دیا اور یہاں کے ذہن و دماغ کو متاثر نہیں ہونے دیا، نوجوان مسلم اہل قلم کے سامنے مستشرقین کے دام تزویر کا حقیقت کھولی گئی، ان کے طریق تالیف اور طرز تحقیق کی اصل خامیاں دکھائی گئیں، اور خاص طور سے یہ بار بار دکھایا گیا کہ انھوں نے اسلامی علوم و آداب اور اسلامی کتب میں سے معتبر کتابوں کو نامعتبر بنانے اور نامعتبر کتابوں کی بنیاد پر اپنے نظریوں کے قائم کرنے کا شیوہ اختیار کر لیا ہے اور بجز اللہ اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔

اسوۂ کامل آپؐ کی ذات

(قصیدۂ نعتیہ)

رئیس نعمانی

کیجئے کیا شرحِ جذبات — ابتر ہیں دل کے حالات
نالہ ہے توہینِ وفا — اور گراں دل پر نغمات
شب کا عالم، آہ، نہ پوچھ! — دن ہے اپنا، جیسے رات
ڈھونڈ رہی ہے اس کو نگاہ — جس کو نہ پائے چشمِ حیات

اللہ اللہ حسنِ خیال — اللہ اللہ احساسات
سامنے ہے بے پردہ کوئی — اور زباں پر دل کی بات
عمرِ ابد، بدلے میں نہ لوں — دے کر یہ فانی لمحات
ایسا ہے، اشعار کہوں — یعنی نظم کروں جذبات
سچ تو یہ ہے، میں، منظوم — کر سکتا ہوں ہر ہر بات
لیکن! اے جانِ انکار! — کون سنے گا وہ نغمات
جن میں نہ ہوگا ذکرِ شراب — اور نہ زلف و لب کی بات
دل کی شکستوں کا احوال — نازِ نگاراں کے حالات

یہ سب افسانے ہیں دوست! — ڈھونڈ نہ ان میں صدق و ثبات
سننا ہے، تو مجھ سے سن — قرآں کی سچی آیات
سچ سے ہے نو تیرِ حیات
سچ میں ہے انساں کی نجات

جان سے بڑھ کر ہے ایمان — رب سے سچی کس کی بات
ناممکن ہے حمدِ خدا — لاکھ ہو ذکرِ ذات و صفات
نعت نبیؐ ہے دل کا سکوں — گو ہے یہ بھی مشکل بات
مخلوقات میں بے ہمتا — ہے کوئی، تو اُنؐ کی ذات

ظلم و ستم اور گمراہی — دن میں تھی ہر جانب رات
آپؐ نے آکر دنیا کو — سکھلائے آدابِ حیات
وحدتِ انساں، وحدتِ رب — ہستی کے اطراف و جہات
کر دئے باطل قرآں نے — سب انسانی نظریات
لوگ خدا کو مان گئے — بھول گئے سب لات و منات
شائستہ افکار ہوئے — ہو گئے پاکیزہ جذبات
سب مردم آزار بنے — جانبازِ اقدارِ حیات
چمکے، جیسے ماہ و نجوم — انسانی اخلاق و صفات
روحِ نظامِ فکر و عمل — آپؐ کی سیرت، آپؐ کی ذات
ہر ہر طور سے دُنیا نے — دیکھی، پرکھی اک اک بات
تفسیرِ قرآنِ مبیں — آپؐ کے اقوال و عادات
اپنے ہوں یا بے گانے — سب پہ ہیں آپؐ کے احسانات

القصہ انساں کے لئے
اسوۂ کامل آپؐ کی ذات

ماسکو یا مکّہ

پروفیسر جے۔ جی تیواری، ۲/۴۰۔ میرنس روڈ، علی گڑھ

سوویت روس کے چار کروڑ مسلمان جن میں اسلام اور قومیت کی لہر مضبوطی سے پھیل ہوئی کریملن کے حکمرانوں کے لیے چیلنج ہیں۔ حالانکہ نسلی طور پر سبھی مسلمان ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کچھ کرغیز، کچھ تاجک، کچھ ازبیک وغیرہ وغیرہ مگر ماسکو کے خلاف قومی آزادی اور دین اسلام پر مبنی جدوجہد ان سب کے درمیان ایک مطابقت کا رشتہ پیدا کرتی ہے اور اس جدوجہد کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں ہوا جب روسی زار نے مسلم ممالک پر حملہ کشی کی مہم شروع کی۔ ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب نے اس مہم کو ختم نہیں کیا بلکہ، اس انقلاب کے رہنماؤں نے وسط ایشیا کے مسلم عوام کے اسلامی عقائد اور قومی جذبات پر پہلے سے زیادہ منظم طور پر حملے شروع کیے۔ یہ لہر اب بھی وسط ایشیا میں موجود ہے کہیں کم کہیں زیادہ، کبھی اس میں روانی آتی ہے اور کبھی دھیما پن۔

سوویت مسلمان، سوویت حکمرانوں کے لیے بہت سے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ پہلا مسئلہ روسی آبادی میں تبدیلی ہونے سے پیدا ہوا۔ مسلمانوں کو دبانے کے لیے روسی زار اور بالشیوک فوجی تشدد کے علاوہ ایک اور حربہ بھی استعمال کرتے تھے، تمام مسلم آبادی میں روسی بستیاں بسا دینا۔ انھیں بستیوں کی مدد سے وہ مسلم عوام پر جبر کرتے رہے۔ زار کے وقت میں ایسی بستیاں کافی تیزی سے نمودار ہوئیں۔ مگر جب دوسری جنگ عظیم میں مسلم عوام نے کریملن کی مخالفت کرتے ہوئے ہٹلر کی مدد کی تو روسی عوام کو کنٹرول کرنے کے لئے خروشچوف نے ایسی بستیوں کے بسانے کی مہم شروع کر دی۔ ایشیا کے اصل باشندوں یعنی مسلمانوں نے ان یورپی روسیوں کی بستی کو کبھی بھی قبول نہیں کیا ہے اور روس کے خلاف ان کی نارضامندی نے جب بھی عام بغاوت کی شکل اختیار کی تو یہی آبادیاں سب سے پہلے مسلمانوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بنیں۔ اب بہت سی وجوہات کی بنا پر جن کا بیان ہم آگے کریں گے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں ماسکو کے خلاف جذبہ تیز ہو گیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ اب یورپی روسی نہ صرف یہ کہ اس علاقے میں اگر بسنا نہیں چاہتے بلکہ بسے ہوئے روسی بھی اپنا بوریا بستر باندھ کر اس علاقے کو چھوڑ رہے ہیں، نتیجے کے طور پر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۹ء تک کوئی ڈیڑھ لاکھ روسی آذربائیجان اور کوکیشس کے علاقے کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو روس کے لئے ایک شدید مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ روس کی مشرقی سرحدوں پر مسلم آبادی کا تناسب اتنا بڑھ جائے گا اور یورپی روسی آبادی کا تناسب اتنا گھٹ جائے گا کہ روس کی حمایت کرنے والے جن کی مدد سے وہ آج تک وہاں کے اصل عوام یعنی مسلمانوں پر جبر کرتے رہے۔ جہاں مسلمانوں میں زیادہ تر آبادی ان ترکوں کی ہے جو ایک عرصہ دراز سے ماسکو کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں پرچم بغاوت بلند کیے ہوئے ہیں۔ کریملن کے حاکموں نے اس علاقے کے مسلمانوں کی فرماں برداری پر کبھی بھی اعتبار نہیں کیا، یہاں تک کہ مسلمان کمیونسٹوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وسط ایشیا کی آبادی میں اس قسم کی تبدیلی سے روس کے استحکام کو خطرہ پڑ رہا ہے۔

وسط ایشیا کی آبادی میں ایک دوسری قسم کی تبدیلی سے بھی روس پریشان ہے۔ مسلمانوں کی آبادی یورپی روسیوں کی آبادی کے مقابلے میں بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

۱۹۰۰ء سے ۱۹۷۰ء تک جہاں مسلمانوں کی آبادی ۲۴ فی صدی بڑھی وہاں گورے روسیوں کی آبادی ۱۰۴ فی صدی بڑھی اور آبادی کے تناسب میں اس قسم کی تبدیلی ہوتی رہی تو اس صدی کے آخر تک مسلمانوں کی آبادی روس کی پوری آبادی کا پچاس فی صدی ہو جائے گی۔

یہ روس کے لئے ایک نہایت ہی شدید مسئلہ ہوگا۔ آبادی کی اس قسم کی تبدیلیوں کی وجہ سے ماسکو کے حکمرانوں کے دو قسم کے مسئلے کھڑے ہو گئے ہیں۔

پہلا مسئلہ اقتصادی ہے۔ روس کی اقتصادی ترقی کا اب زیادہ تر انحصار سائبیریا پر ہے مگر کریملن کی ہر ممکن کوششوں کے باوجود مسلمان سائبیریا کے برفانی علاقوں میں جانے کو تیار نہیں ہیں کریملن کی حکومت مسلمانوں کو یورپی روسی علاقوں میں لا کر بسانا چاہتی ہے کیونکہ وہاں کی شہری آبادی پہلے ہی سے گنجان ہے اس لئے اقتصادی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے کریملن کے حکمرانوں کے سامنے سوائے اس کے کوئی اور راستہ نہیں رہا ہے کہ وہ وسط ایشیا کے مسلم علاقوں میں صنعتی اقدام کرے جہاں اس علاقے کی زراعتی اور قدرتی معدنیات کی فراوانی کی وجہ سے نئی صنعتیں لگانے کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ اس مسلم علاقے میں نئی نئی صنعتیں قائم کرنے کے نتیجے میں وہاں کے مسلمانوں کے لئے اقتصادی ترقی کے مواقع بہت بڑھ گئے ہیں جن کی وجہ سے اس علاقے کی تعلیمی اور معاشرتی سطح بلند ہو گئی اور اسی کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں میں قومی آزادی کا جذبہ پہلے سے تیز ہو گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ سیاسی ہے۔ ماسکو کے حکمرانوں کا خیال تھا کہ تعلیمی اور معاشرتی سطح بلند ہو جانے کی وجہ سے وسط ایشیا کے مسلمان علاقے کے قومی مفاد اور قومی آزادی کو برتر سمجھتے تھے۔ ماسکو کے حکمران کا مقصد بقول ایک مشہور بالشیوک کا لانین کے اس علاقے کے مسلمانوں میں وہی تبدیلی لانا ہے جو لینن گریڈ کے صنعتی مزدوروں کی زندگی میں ظہور پذیر ہوئی لیکن مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور دین کے لگاؤ بھی بڑھ رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو واپس لانے کی خواہش بھی تیز ہو رہی ہے۔

وہاں کے سرکردہ مسلمان جہاں کہیں جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو اس علاقے کے مسلمانوں کا نمائندہ کہتے ہیں اور نمائندگی کرتے ہوئے وہ اسلامی اور اس علاقے کی قومی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں بالفاظ دیگر جیسے جیسے ان کی تعلیمی اور معاشرتی سطح بلند ہوتی جاتی ہے وہ یورپی روس کی تہذیب سے دور ہوتے جاتے ہیں وسط ایشیا کے مسلمان یورپی روسیوں سے بہت کم ازدواجی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ یورپی روسی اور مسلمان سرکاری کام میں ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہیں مگر نفسیاتی طور پر الگ الگ دنیا میں رہتے ہیں۔ اس لیے جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں قومی اور اسلامی جذبہ اور اس کے باوجود مسلمان سائبیریا کے برفانی علاقوں میں جانے کو تیار نہیں نہ ہی کریملن کی حکومت مسلمانوں کو یورپی روسی علاقوں میں لا کر بسانا چاہتی ہے کیونکہ وہاں کی شہری آبادی پہلے ہی سے گنجان ہے اس لئے اقتصادی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے کریملن کے حکمرانوں کے سامنے سوائے اس کے کوئی اور راستہ نہیں رہا ہے کہ وہ وسط ایشیا کے مسلم علاقوں میں صنعتی اقدام کرے جہاں اس علاقے کی زراعتی اور قدرتی معدنیات کی فراوانی کی وجہ سے نئی صنعتیں لگانے کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ اس مسلم علاقے میں نئی نئی صنعتیں قائم کرنے کے نتیجے میں وہاں کے مسلمانوں کے لئے اقتصادی ترقی کے مواقع بہت بڑھ گئے ہیں جن کی وجہ سے اس علاقے کی تعلیمی اور معاشرتی سطح بلند ہو گئی اور اسی کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں میں قومی آزادی کا جذبہ پہلے سے تیز ہو گیا ہے۔

پہلا مسئلہ اقتصادی ہے۔ روس کی اقتصادی ترقی کا اب زیادہ تر انحصار سائبیریا پر ہے مگر کریملن کی ہر ممکن کوششوں کے باوجود مسلمان سائبیریا کے برفانی علاقوں میں جانے کو تیار نہیں ہیں کریملن کی حکومت مسلمانوں کو یورپی روسی علاقوں میں لا کر بسانا چاہتی ہے کیونکہ وہاں کی شہری آبادی پہلے ہی سے گنجان ہے اس لئے اقتصادی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے کریملن کے حکمرانوں کے سامنے سوائے اس کے کوئی اور راستہ نہیں رہا ہے کہ وہ وسط ایشیا کے مسلم علاقوں میں صنعتی اقدام کرے جہاں اس علاقے کی زراعتی اور قدرتی معدنیات کی فراوانی کی وجہ سے نئی صنعتیں لگانے کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ اس مسلم علاقے میں نئی نئی صنعتیں قائم کرنے کے نتیجے میں وہاں کے مسلمانوں کے لئے اقتصادی ترقی کے مواقع بہت بڑھ گئے ہیں جن کی وجہ سے اس علاقے کی تعلیمی اور معاشرتی سطح بلند ہو گئی اور اسی کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں میں قومی آزادی کا جذبہ پہلے سے تیز ہو گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ سیاسی ہے۔ ماسکو کے حکمرانوں کا خیال تھا کہ تعلیمی اور معاشرتی سطح بلند ہو جانے کی وجہ سے وسط ایشیا کے مسلمان علاقے کے قومی مفاد اور قومی آزادی کو برتر سمجھتے تھے۔ ماسکو کے حکمران کا مقصد بقول ایک مشہور بالشیوک کا لانین کے اس علاقے کے مسلمانوں میں وہی تبدیلی لانا ہے جو لینن گریڈ کے صنعتی مزدوروں کی زندگی میں ظہور پذیر ہوئی لیکن مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور دین کے لگاؤ بھی بڑھ رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو واپس لانے کی خواہش بھی تیز ہو رہی ہے۔

وہاں کے سرکردہ مسلمان جہاں کہیں جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو اس علاقے کے مسلمانوں کا نمائندہ کہتے ہیں اور نمائندگی کرتے ہوئے وہ اسلامی اور اس علاقے کی قومی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں بالفاظ دیگر جیسے جیسے ان کی تعلیمی اور معاشرتی سطح بلند ہوتی جاتی ہے وہ یورپی روس کی تہذیب سے دور ہوتے جاتے ہیں وسط ایشیا کے مسلمان یورپی روسیوں سے بہت کم ازدواجی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ یورپی روسی اور مسلمان سرکاری کام میں ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہیں مگر نفسیاتی طور پر الگ الگ دنیا میں رہتے ہیں۔ اس لیے جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں قومی اور اسلامی جذبہ اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں خود اعتمادی اور ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

واقعات کے اس سلسلے کو سمجھنے کے لیے ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے مشرق سے آنے والے فاتح بالشیوکوں کی سیکولرزم اور جدت پسندی کی لہروں نے وسط ایشیا کے مسلمانوں پر اتنا ہی اثر ڈالا ہے جتنا کہ روس کے باہر انکے بھائیوں پر۔ کیونکہ سوویت یونین لامذہب اور ہمہ گیر حکومت ہے اور چونکہ اس کا ایک مقصد سب قسم کے مذہبوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ اس لئے جدت پسندی کی یہ لہر روس میں بہت طاقتور رہی۔ ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۳۰ء کے درمیان ۱۹۱۷ء سے پہلے کے تمام بزرگ اور دین کے پابند مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ کروڑوں مسلمانوں کی زمین چھین کر قتل عام کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسلامی نام رکھنے والے اس علاقے کے بھی کیمونسٹوں جن کا سب سے بڑا رہنما سلطان امیر گیو تھا، کا قتل عام کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ مسلمان کمیونسٹ مسلمان علاقے کے قومی مفاد اور قومی آزادی کو برتر سمجھتے تھے۔ ماسکو کے حکمران کا مقصد بقول ایک مشہور بالشیوک کا لانین کے اس علاقے کے مسلمانوں میں وہی تبدیلی لانا ہے جو لینن گریڈ کے صنعتی مزدوروں کی زندگی میں ظہور پذیر ہوئی لیکن مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور دین کے لگاؤ بھی بڑھ رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو واپس لانے کی خواہش بھی تیز ہو رہی ہے۔ تازہ ترین زیادہ کامیاب نہیں ہوا ہے۔ تازہ تحقیقات کے مطابق حکمران ماسکو صرف ۲۰ فی صد مسلمانوں کو ہم خیال بنا سکے ہیں اور باقی ۸۰ فی صد مسلمان اپنے دینی عقائد پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ روسی عیسائیوں

میں حالت اس کے برخلاف ہے ان میں ۸۰ فیصد اپنے دین کو چھوڑ چکے ہیں جس مضبوطی اور مصمم ارادے سے وسط ایشیا کے مسلمان اپنے دینی اور قومی مفاد کے تحفظ پر ڈٹے ہوئے ہیں اسی کی وجہ سے روس میں اسلام دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری۔

پہلا سرکاری اسلام جس کے مرکز تاشقند اور باکو میں ہیں اس اسلام کے ماتحت ۲۵۰۰ سے لے کر ۳۰۰۰ علماء کام کرتے ہیں، جن کی سرپرستی میں ۲۰۰ مساجد اور دو مدرسے ایک بخارا میں اور ایک تاشقند میں ہے اس کے علاوہ ان کا ایک رسالہ "مشرق کے مسلمان" کے نام سے عربی، فارسی، فرانسیسی اور ازبیک زبانوں میں نکالا جاتا ہے لیکن ان حضرات کو سرکاری اداروں جیسے ریڈیو وغیرہ کو اسلام کی اشاعت کے لئے استعمال نہیں کرنے دیا جاتا اور نہ ہی انھیں کسی قسم کا تعلیمی اور سماجی کام کرنے کی اجازت ہے صرف نماز جمعہ میں وعظ کرنا ہی ان کا کام ہے دوسرے لفظوں میں سرکاری اسلام کا دائرہ اتنا تنگ ہے کہ وہ عالم مسلمان کی مذہبی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا ہے۔ سرکاری اسلام کو مسلمان عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں، کیونکہ یہ سرکاری علماء دہریہ حکومت کی پوری طرح سے اطاعت کرتے ہیں اور اس کے کسی بھی خلاف اسلام فعل کی مذمت نہیں کرتے۔ ان سرکاری مسلمانوں کو روسی پروپیگنڈے کے لئے عالم اسلام میں بھیجا جاتا ہے۔

دوسری طرف اس غیر سرکاری اسلام کی بنیاد اسلامی جہاد کی روایات پر قائم ہے اس کے معزز قائد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کبھی بھی زار اور کریملن کی حکومت کے خلاف پرچم بغاوت بلند کیا ہو جیسے کہ امام شامل، جنھوں نے زار کے خلاف کاکوشیا کے مسلمانوں کی جنگ کی رہنمائی کی، شیخ اور منان حاجی جنھوں نے پورے عالم اسلام میں ہر طرح کی جدوجہد کی رہنمائی کی۔

ان غیر سرکاری مسلمانوں کی رہنما صوفی برادری ہے جو خفیہ طور پر اپنا کام کرتی ہے لیکن اس برادری کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ ان کو مٹانے کے لئے سوویت سرکار نے یکے بعد دیگرے بہت سی مہمیں چلائیں لیکن وہ بھی ان کی جڑوں کو ہلانے میں ناکام رہیں۔ ایک سوویت ماہر سماجیات کے مطابق شمالی کاکوکیشیا کی آدھی آبادی اس صوفی برادری میں شامل ہے۔ صوفی برادری نہایت موثر طریقے پر اسلام کی اشاعت کرتی ہے اور خفیہ مذہبی اسکولوں اور مساجد کی دیکھ بھال کرتی ہے۔

افغانستان کی تحریک آزادی کو دبانے کے لئے روسیوں نے وسط ایشیا کے مسلمانوں کی فوجوں کو وہاں بھیجا اس غرض سے کہ وہ ان کو اچھی طرح سے دبا سکیں گے کیونکہ وہ افغانیوں کی زبان اور کلچر سمجھتے ہیں مگر جیسے وہ افغان سرزمین پر کام کرنے لگے مجاہدین کے اسلام نے ان پر اتنا گہرا اثر ڈالا اور ان میں قرآن پڑھنے کی خواہش اتنی شدید ہو گئی کہ کابل میں قرآن کی بلیک مارکیٹ پیدا ہو گئی اور ان میں بہت سے روسی فوجوں کو چھوڑ کر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ افغانستان میں کئے گئے روسی مظالم کی خبریں جب بھی وسط ایشیا میں آمو دریا کو پار کر کے جاتی ہیں وہ اس علاقے میں اسلامی عقائد اور قومیت کے جذبے کو بھڑکا دیتی ہیں۔

ظاہر ہے بنیادی اسلامی تحریک جو روس کی حدود پر واقع مسلم ملکوں میں پھیل رہی ہے وہ روس کے لئے اس لئے خطرناک ہے کہ ان سے متاثر ہو کر وسط ایشیا کے روسی مسلمانوں میں کریملن کے خلاف قومی جذبہ اور مذہبی عقیدت مضبوط ہوتی جا رہی ہے اس لئے روس کی نظروں میں وسط ایشیا میں اپنی حکومت کا استحکام قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مشرق وسطی میں عالم اسلام پر قبضہ جمایا جائے نہیں تو روسی حکومت کا وہ علاقہ جو زراعتی اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہے اور جن پر روسی حکومت کا انحصار ہے وہاں روسی قبضہ مستحکم نہیں رہے گا، دوسرے لفظوں میں اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کے لئے حاکمان ماسکو کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ مشرق وسطی کے اسلام کو مارکسزم کی زنجیروں میں جکڑا جائے۔ اس لئے ماسکو اور مکہ کی اس عالمگیر ٹکر نے جو پچھلی صدی کے وسط میں زار نے شروع کی تھی اب ایک نہایت ہی خوفناک صورت اختیار کر لی ہے۔

حاکمان ماسکو نے اسلامی دنیا پر تسلط جمانے کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت ہی انھوں نے ایتھوپیا اور جنوبی یمن کو اپنے قبضے میں لیا۔ اس عمل کے تحت ہی انھوں نے افغانستان پر حملہ کیا اور اب وہ شمالی یمن کی سرکار کے خلاف ایک فوجی بغاوت کی رہنمائی کر رہے ہیں تاکہ ان کی فوجیں سعودی عرب کی سرحدوں پر کھڑے ہو کر عالم اسلام کے سب سے بڑے کمیونسٹ مخالف قلعہ کی بنیادیں ہلا سکے۔

اس کے علاوہ شام میں ہزاروں روسی مشیروں کی موجودگی کی وجہ سے اور وہاں لاتعداد روسی ہتھیار جمع ہونے کی وجہ سے شام وسط ایشیا کے مسلمانوں کے مرکز میں ایک روسی ایجنٹ کا کام کر رہا ہے۔ ادھر افغانستان کے واخان صوبہ جو پاکستان کی سرحد پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوجی اڈہ میں بدلا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں کابل میں پاکستان کے باغی بلوچ لیڈروں کا ایک مرکز قائم کر دیا گیا ہے تاکہ پاکستان میں بلوچی بغاوت کو ہوا دی جا سکے۔ ساتھ ہی ساتھ ایران کے بڑھتے ہوئے انتشار سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایران کی شمالی سرحدوں پر ۲۸ روسی دستوں اور مشرقی سرحدوں پر افغانستان کے شنباد فوجی اڈے پر چار روسی فوجی دستے تعینات ہیں۔ دوسرے لفظوں میں بیرون روس کے عالم اسلام پر ماسکو اپنا تسلط جمانے کے لئے مختلف طور پر سرگرم ہے۔ کیونکہ روس کے ان توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے ایک عالمگیر تناؤ پیدا ہو گیا ہے اور روس و امریکا میں تناؤ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ کسی بھی وقت ایک عالم گیر جنگ ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ ماسکو اور مکہ کا یہ تاریخی ٹکراؤ آج کے عالمگیر بحران کی تہہ کی میں کام کر رہا ہے۔ ماسکو اور مکہ کی ٹکر میں کون کامیاب ہوتا ہے اس پر منحصر ہے۔ روسی سامراج کی زندگی، ایشیا کے ممالک کی آزادی اور دنیا کا امن۔

(ندائے ملت۔ لکھنؤ)

نعت شریف

چودہویں رات کی چاندنی ہے فرحتِ ریگزارِ مدینہ
ہے تصور میں جنت زمیں کی، سامنے ہے دیارِ مدینہ

دودھیا راہ تاروں کی جیسے، شوخیاں ماہ پاروں کی جیسے
جلوہ گاہیں بہاروں کی جیسے زینتِ ریگزارِ مدینہ

میں غلامِ زمانہ نہیں ہوں، ہوں مسلمان غلامِ نبیؐ ہوں
میرا سرمایۂ زندگانی، خاکِ طیبہ غبارِ مدینہ

ڈوب جاتا ہوں شیرینیوں میں، چوم لیتا ہوں اپنی زباں کو
نام آتا ہے میرے لبوں پر، جب کبھی تاجدارِ مدینہ

جس کا ساتھی ہوا بختِ یاور، اس کے سر پہ ہے تاجِ سکندر
اس نے پائی ہے خوشبو ارم کی، جس نے دیکھی بہارِ مدینہ

دل میں مفلس کے کیا کیا نہیں ہے، کس کو شوقِ مدینہ نہیں ہے
قافلے حسرتوں کے رواں ہیں جانبِ ریگزارِ مدینہ

فکر و فن کی وہ معجز نمائی، یہ عقیدت کا تاجِ حنائی
عقل کی وسعتوں سے پرے ہے عظمتِ کوہسارِ مدینہ

تیری جلوہ نمائی نہ ہوتی، تو یہ توقیر پائی نہ ہوتی
شاہِ کون و مکاں تیرے دم سے، ہے سلامت وقارِ مدینہ

ہر سبزہ، چمن پھول، پتے، نخل صحرا، کرن بیل بوٹے
بحر، دریا، شفق، ماہ، انجم، ذرّہ ذرّہ نثارِ مدینہ

شیخ مستنصر اللہ صاحب کی رحلت

۲۷ر جنوری کو شیخ مستنصر اللہ صاحب جن کا انتقال ۲۵ر جنوری کی شام کو اور تدفین ۲۶ر جنوری کو بعد نماز ظہر وصیت کے مطابق ان کے مکان کے ایک حصہ میں ہوئی تھی کی تعزیت میں جلسہ ہوا چونکہ اس وقت حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی بیرونی سفر پر تھے اس لئے اس جلسہ میں وکیل کلیۃ الشریعۃ و اصول الدین جناب مولانا ابو العرفان خاں ندوی اور وکیل کلیۃ العربیۃ و آدابہا جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی نے مرحوم کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔

مولانا ابو العرفان خاں صاحب ندوی نے مرحوم کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہماری مجلس انتظامیہ کے رکن اور شہر کے ایک معزز صاحب وجاہت اور صاحب دین کا انتقال ہو گیا ہے، اور طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یقیناً آپ لوگوں کو کم معلوم ہوگا کہ جو شخص اور جو ذات کل ہم سے جدا ہوئی ہے وہ گوناگوں اور متنوع اوصاف و اخلاق اور دینی خصوصیات کی حامل تھی۔ الحاج شیخ مستنصر اللہ صاحب جن کو اب تک ہم مدظلہ العالی کہتے تھے افسوس ہے کہ اب ان کو رحمۃ اللہ علیہ یا رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں، ان کا دار العلوم سے تعلق بہت پرانا تھا اتنا پرانا کہ بہت سے پرانے لوگ جو اس کی تاریخ جاننا چاہیں کہ کس دن اور کس تاریخ کو ندوے سے تعلق ہوا تو معلوم کرنا آسان نہیں۔

شیخ صاحب مجلس انتظامیہ کے رکن تھے یہ ان کا ضابطہ کا تعلق تھا۔ ادھر آخر میں کچھ دنوں سے اپنی علالت اور ضعف پیری کی وجہ سے وہ جلسہ میں شرکت نہیں فرماتے تھے ورنہ جب تک ان کے قویٰ مضبوط تھے بڑی پابندی کے ساتھ جلسہ انتظامیہ میں شریک ہوتے تھے اور اپنی بیش قیمت آراء اور تجربات سے نوازا کرتے تھے۔

۱۹۴۴-۴۵ء یعنی آج سے ۳۶-۳۷ سال قبل کی بات ہے جب میں بالکل نو عمر تھا اور ندوے کے اسٹاف میں آیا تھا اس وقت شہر کے چند معززین اور چند چوٹی کی حیثیت کے لوگ جو اپنے اپنے میدان میں غیر معمولی حیثیت رکھتے تھے سنیں اور ان کی زندگی تک ان کی حیثیت کو دیکھا اور کچھ دنوں کے بعد ان سے سابقہ پڑا ان میں سے ایک شیخ مستنصر اللہ صاحب بھی تھے اس طبقہ میں خواجہ شمس الدین، منشی اکرام علی، ڈاکٹر فریدی مرحوم، سید اصغر حسین ہیں۔ اور اسی میں جن کا ابھی حال میں انتقال ہوا ہے سید مصباح الدین صاحب نقوی تھے اور ان سب کے گل سرسبد قائد و رہنما اور ندوۃ العلماء کے ناظم حکیم ڈاکٹر عبد العلی مرحوم تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ندوۃ العلماء کے رکن انتظامی تھے اور شہر لکھنؤ کی عزت و آبرو۔ افسوس ہے کہ آج یہ آخری شمع بھی بجھ گئی۔

شیخ صاحب کی سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ بہت ہی اچھے اور اعلیٰ معیار کے دیندار تھے۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ ان کی تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی۔ دینداروں اور دینی اداروں سے چاہے ضابطہ کا تعلق ہو یا نہ ہو ان کا ان سے غیر معمولی ربط و تعلق تھا ان کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ ان کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں دو چیزوں میں محدود تھیں ایک مسلمانوں کے خیر و فلاح دوسرے اسلام و دین کی خیر و فلاح اور جس چیز کو انھوں نے دینی حیثیت سے بہتر سمجھا اور محسوس کیا کہ دین کا بھلا ہے اور ان میں اجر و ثواب ملے گا اسے انھوں نے اللہ کا نام لے کر شروع کیا اور آخر وقت تک انجام دیتے رہے۔

وہ بہت ہی مخیر تھے اور جہاں دیدہ بھی تھے حاجت مندوں کی ضرورت بھی سمجھتے تھے اور ان کی حاجت کو اسی کے مطابق پوری کرتے تھے ان کی شخصیت دین و دنیا دونوں حیثیتوں سے مالا مال تھی اور شہر میں مسلمانوں کی خیر و فلاح اور دین کی خیر و فلاح میں حصہ لینا اپنی سعادت سمجھتے تھے، اس کے علاوہ وہ بہت سی ایسی خصوصیات کے حامل تھے جس سے ان کے قریب رہنے والے لوگ بخوبی واقف تھے۔ لحیم شحیم اور جسم کے لحاظ سے ایک طرح سے معذور ہونے کے باوجود اور بعض وقت دقت و پریشانی سے لوگوں سے ملنے کے لئے خود آگے بڑھتے تھے اور اکرام مسلم کا صحیح نمونہ پیش کرتے تھے اور اس کو انھوں نے اپنی محنت، کد و کاوش اور دولت دونوں طریقہ سے نبھایا۔

مولانا محمد رابع صاحب ندوی نے فرمایا، شیخ صاحب کا مسلمانوں کے مسائل سے بڑا گہرا تعلق تھا وہ ملکی پیمانے کے ہوں یا بین الاقوامی ہوں جس وقت فلسطین کا وفد علی طنطاوی اور امجد الزہاوی کی معیت میں آیا تھا تو شیخ صاحب ہی ان کے میزبان بنے تھے اور اس میں بڑی تندہی سے حصہ لیا تھا اور فلسطین پر جو کانفرنس شام میں منعقد ہوئی تھی اس میں حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی کے نمائندہ کی حیثیت سے شیخ صاحب نے بھی ہندوستان کی نمائندگی کی تھی۔ شیخ صاحب علماء کے بڑے قدرداں تھے اور ان کی میزبانی اپنے لئے سعادت سمجھتے۔

شیخ صاحب پر تعلیم نسواں کا جب غلبہ ہوا تو اہل ندوہ سے انھوں نے درخواست کی کہ وہ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طالبات کی تعلیم کا بھی ایک شعبہ قائم کرے۔ ندوے نے اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے معذوری ظاہر کر دی مگر شیخ صاحب نے اس تشنگی کی تکمیل کیلئے اپنے مصارف سے تعلیم نسواں پر ایک مدرسہ قائم کیا اور عصری و دینی تعلیم کا انتظام کیا، اس میں تدریس کا کام بہت اعلیٰ معیار سے ہو رہا ہے اور اس کا اندازہ مدرسہ کے امتحانی کاپیوں سے ہوتا ہے جو ہم لوگوں کو تعلق کی وجہ سے ملتی ہیں اور طالبات کا معیار تعلیم بہتر معلوم ہوتا ہے۔ شیخ صاحب نے اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے ایک جائداد وقف کر دی اور اسکے اخراجات اسی جائداد سے پورے کئے جاتے ہیں اس کی نگرانی کی ذمہ داری بیگم شیخ کرتی ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کار خیر کے ذریعہ انہی کے ہاتھوں صدقہ جاریہ فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو پورا پورا اجر و ثواب عطا فرمائے۔

حدیث کی عملی قیمت و افادیت کیا ہے؟

حدیث ایک مسلمان کی عملی زندگی کے لئے کیوں ضروری ہے؟

حدیث کے نہ ہونے یا اس سے صرفِ نظر کر لینے سے ہماری اجتماعی زندگی اور مسلم معاشرہ میں کیا خلا واقع ہوتا اور کیا نقص لازم آتا ہے؟

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات کے لئے مجلسِ تحقیقات کی تازہ پیش کش:-

اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں

حدیث کا بنیادی کردار

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ملاحظہ فرمائیے

اردو ایڈیشن تین روپے Rs. 3/-، عربی ایڈیشن Rs. 4/-، انگریزی ایڈیشن (زیر طبع)

دیدہ زیب کتابت و طباعت

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹

لکھنؤ (یوپی)

ندوہ کے شب و روز

کلیۃ الشریعۃ کی ماہانہ مجلس مذاکرہ

تسنیم عثمانی

۲۴ر ربیع الاول کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی کلیۃ الشریعۃ کے تحت ایک مجلس مذاکرہ کا افتتاح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مد ظلہ العالی کی زیر صدارت عمل میں آیا جس میں معزز اساتذۂ کرام نے اہم موضوعات پر مقالات پیش کئے، ابتدا میں صدر کلیۃ الشریعۃ مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی نے مجلس مذاکرہ کا تعارف اور اس دور میں اس کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"میں نے ادھر چند سالوں میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر کیا، اس وقت ہندوستان بالخصوص طور پر دیہاتوں میں جو دینی بے راہ روی ہے، اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان تک صحیح طور پر دین کی تعلیم نہیں پہونچی ہے، میں جہاں جہاں گیا وہاں کے لوگوں کا رجحان دیکھا وہاں کے حالات کا اندازہ لگایا تو اس بات کا شدید احساس ہوا کہ موجودہ زمانہ میں اگر ملت کے اس سفینہ کو کوئی بچا سکتا ہے تو وہ علمائے حق کی قیادت ہے سب کی نگاہیں ادھر ہی لگی ہیں، اور اب پھر ہمارے لئے کام کرنے کا ایک میدان تیار ہو رہا ہے کہ ہم قصبوں، دیہاتوں اور گاؤوں میں جائیں، لوگوں تک صحیح اسلامی تعلیم پہنچائیں اور اسی کے ساتھ موجودہ مسائل پر مفید بحثیں کریں، اور امت کی تمام مجموعی اجتماعی اور اقتصادی مشکلات کا حل پیش کریں۔ اس کام کو ہمارے ندوی برادران انشاء اللہ بخوبی انجام دے سکتے ہیں، اسی کے پیش نظر ندوہ میں کلیۃ الشریعۃ کے تحت یہ مجلس مذاکرہ قائم کی گئی اور جس کی افتتاحی نشست کی صدارت حضرت مولانا دامت برکاتہم فرمارہے ہیں"۔

اس کے بعد حضرت مولانا مد ظلہ نے اس افتتاحی نشست کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

حضرات! میں محض اس لئے آیا تھا کہ مقالات سنوں گا، استفادہ کروں گا آپ کو معلوم ہے کہ عمر کے اور معلومات کے کسی مرحلہ پر بھی انسان مستغنی نہیں ہے، جب حضورؐ کو جو خاتم النبیین ہیں تلقین کی گئی "رب زدنی علماً"، تو ہم شما کا کیا ذکر، میں تو سننے کے شوق میں آیا تھا، دخل در معقولات کے لئے نہیں آیا تھا، لیکن مولانا ابوالعرفان صاحب کی تقریر کو، جو انھوں نے ابھی کی سن کر میں مجبور ہو گیا، ان کی تقریر دعوت فکر ہے، دعوت عمل ہے۔

کوئی ملت جس کی بنیاد بلکہ ولادت لفظ "اقرأ" سے ہوئی ہو اور نبی کو اس کی تلقین کی گئی ہو اور اس نبی نے اس کو عالمگیر بنا دیا ہو، اس ملت کا رشتہ کبھی علم و فکر سے ٹوٹ نہیں سکتا، اور تاریخ بتاتی ہے کہ پہلی ملتیں، اس لئے زوال کا شکار ہوئیں اور ان کو اس لئے امامت سے معزول کیا گیا، ہر طرح کی امامت سے کہ اس نے محنت اور ذہن کی تازگی اور ذہن سے کام کی عادت چھوڑ دی، اور دینی، اخلاقی اور ذہنی رہنمائی کے قابل نہ رہی، یہ ذمہ داری ان کے علماء کی تھی، اگر آپ تفصیل کے ساتھ جاننا چاہیں تو آپ گزشتہ امتوں کی تاریخ پڑھیں۔ اس وقت تاریخ بتانے کا موقع نہیں۔ جتنا حصہ قرآن میں ہے اس سے بھی تاریخ معلوم کی جاسکتی ہے اور مرتب کی جاسکتی ہے، کہ ملتوں پر ذہنی اضمحلال طاری ہوا اور وہ زمانہ کا ساتھ دینے کے قابل نہیں رہیں، علماء کا طبقہ زمانہ کا ساتھ دینے کے قابل نہیں رہا، وہ یا تو طمع دنیا میں پڑ گئے، جیسے علمائے بنی اسرائیل کی تاریخ دیکھئے یا کاہلی میں پڑ گئے، تو اس کی وجہ سے پوری ملت معزول کی گئی۔ سورۂ بنی اسرائیل کا مطالعہ کیجئے، سیرت النبیؐ دیکھئے اور دوسری کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ پڑھئے۔ اس میں بنی اسرائیل کے معزول ہونے کا، اور دوسری امت کے قیادت کے منصب پر قائم و سرفراز ہونے کا اعلان ہے گویا سورۂ بنی اسرائیل میں امت اسلامیہ کو چارج دیا جارہا ہے۔ بنی اسرائیل کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر اخلاقی بیماریاں تھیں، اخلاق ان سے مفقود ہو گئے تھے کیونکہ اس امت سے کہا گیا کہ تم یہ کرو یہ کرو۔ اللہ نے جس کو نگاہ حقیقت دی ہو اس کے لئے اس میں اشارہ ہے کہ لا تمش فی الارض مرحاً الخ اور اس طرح کی دوسری آیات میں اس طرف اشارہ ہے۔ سورۂ اسراء میں صاف نظر آتا ہے کہ بنی اسرائیل اس لئے معزول کئے گئے۔ وہ بڑا نازک موقع ہوتا ہے جب طبقۂ علما تعطل اور ذہنی اضمحلال اور راحت پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اللہ نے جب امت کو نوازا تو علماء نے دن رات ایک کر دیا۔ امام ابوحنیفہؒ کو دیکھئے، امام شافعیؒ کے اجتہاد و استنباط پر نظر ڈالئے، ان کی کتاب الام دیکھئے امام احمدؒ کی تاریخ پڑھئے اور آج ہمارا بدایہ پر مقالہ بھی پڑھا جائے گا، ان علماء کی تاریخ سے آپ کو علم ہوگا کہ انھوں نے اس کام میں کتنی جدوجہد کی ہے۔

زندگی کے پہیہ کو روکا نہیں جاسکتا یہ زندگی جاری رہے گی اور یہ امت دائم و قائم رہے گی۔ امت کے زندہ جاوید ہونے کی صلاحیت کا ایک سبب یہ ہے کہ اس کے طبقۂ علماء نے کبھی معذوری ظاہر نہیں کی، ان کے اوپر ذہنی فالج نہیں گرا۔ بنی اسرائیل کے علماء کے ذہن پر فالج گرا تھا۔ چرچ میں جو تعطل ہوا اس کی وجہ بھی صرف اہل کلیسا پر دماغی فالج تھا، لیکن ہمارے علماء نے ایسا نہیں کیا سلطنتوں سے آنکھیں بند کرلیں اور ان کا تسلسل ابھی تک باقی ہے لیکن اب اندیشہ ہے کہ کہیں تعطل کے شکار نہ ہو جائیں، مولانا ابوالعرفان صاحب نے کہا کہ یہ موڑ جو اس وقت آیا ہے ہو نیا دور آیا ہے اس میں بلا کسی تخصیص کے چاہے وہ ندوہ ہو، دیوبند ہو، مظاہر العلوم ہو، علماء کے ایک طبقہ کو اس اعتماد کے بحال کرنے کی جاں توڑ کوشش کرنی چاہئے اس لئے کہ یہ وقت ایسا ہے کہ اس میں کلیۃ الشریعۃ کے فضلاء و طلباء خاص کر اساتذہ کو جدوجہد کی ضرورت ہے، اس وقت جو ذخیرہ ہے اس پر عبور حاصل کر کے عوام کا اعتماد بحال کرنا چاہئے بلا کسی تفریق ادارہ و مکتب کے یہ کام اتنا ضروری ہے کہ اگر یہ دو یا تین برسوں میں نہ ہوا تو یہاں بھی ترکی کی طرح علماء کو معزول کر دیا جائے گا اور کرسی سے اتار دیا جائیگا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان نے جس طرح اصلاح عقائد و رسوم و اخلاق کے سلسلے میں جو کام کئے اور علماء کے اعتماد کو بڑھایا انھوں نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان کے علماء علوم اسلامیہ پر زیادہ گہری نظر رکھتے ہیں، مولانا ابوالعرفان صاحب نے بعض ایسے اشارے کئے جس سے میرے ذہن پر ضرب لگی، لیکن میں نے کہا کہ خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے، علماء جلد اپنی بے لوثی بے غرضی ثابت کریں آپس میں تعاون جس میں وہ کسی دوسری جماعت سے کم نہیں ہیں مطالعہ تازگی ذہن میں بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو موقعہ دیتا ہے اور شاید یہ ندوہ کی قسمت میں ہو "وما یعلم جنود ربک الا هو" اسرار الٰہی تو خدا جانتا ہے، لیکن یہاں ایک معین فضا ہے علمی کام کرنے کے لئے، ایک مرتب و منظم اور متعاون کام کرنے کے یہاں وسائل جمع ہیں، اب تک ندوی علماء کا عربی ادبی کا سکہ لوگوں پر قائم تھا البیان اور الضیاء جس کو سب نے مانا عالم عرب نے اس کو مانا۔ آل انڈیا ریڈیو نے نشر کیا، یہ کوشش تو جاری ہی رہنی چاہئے، لیکن اب علوم اسلامیہ کے میدان میں آنا چاہئے اور مسلمانوں کے سوالات اور دینی ضروریات کا علمی انداز میں جواب دینے کے لئے تیار ہونا چاہئے تاکہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ ہندیہ ترکی کے اس خطرہ سے بچ جائے جو ترکی کے علماء پر آیا اور اب مصر و عراق و شام سب اس خطرہ میں ہیں، خدا نہ کرے ہندوستان کو اس خطرہ سے دوچار ہونا پڑے، آپ کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

(بقیہ صفحہ پر)

خلیج کے ملک مشترکہ فوج قائم کریں گے

سعودی عرب اور اس کے خلیج کے اتحادی ملکوں کے وزرائے دفاع اپنی مسلح افواج کو متحرک، مربوط اور مضبوط بنانے کے لئے دور رس منصوبے تیار کریں گے اس کا انکشاف سعودی عرب کے ایک سرکاری اخبار نے کیا ہے۔ رائٹر کی اطلاع کے مطابق خلیج کے چھ ملکوں پر مشتمل کونسل برائے تعاون کا اجلاس ہوا۔ کونسل وزرائے دفاع اور وزرائے خزانہ پر مشتمل ہے جس میں ان ملکوں کے دفاع کے لئے مربوط پالیسی تشکیل دی گئی۔ کونسل کے ارکان میں سعودی عرب، بحرین، کویت، عمان، قطر اور متحدہ عرب امارات شامل ہیں ان کی تیل کی پیداوار ایک کروڑ پندرہ لاکھ بیرل یومیہ اور آمدنی ۱۴ کروڑ ڈالر یومیہ ہے۔ یہ ملک مغرب کی ہر قسم کی مصنوعات خصوصاً اسلحہ کی بہت بڑی منڈی ہے۔

سعودی عرب ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کیلئے کوشاں ہے

سعودی عرب کے وزیر دفاع سلطان بن عبدالعزیز نے اس اطلاع کی تصدیق کی ہے کہ حکومت سعودی عرب ایٹمی توانائی حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے لیکن یہ توانائی کسی حالت میں بھی فوجی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جائیگی اسے صرف پرامن مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ سعودی خبرایجنسی کو انٹرویو میں انھوں نے کہا ایٹمی توانائی کا فوجی امور میں استعمال فوائد کا حامل تو ہے لیکن اس کے نقصانات اس کے فوائد کی نسبت میں زیادہ ہیں اور سعودی عرب ایسے نقصانات برداشت کرنے کو تیار نہیں شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ برادر اسلامی ملک پاکستان بھی ایٹمی توانائی کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہے لیکن وہ بھی ایٹمی توانائی کو محض پرامن کاموں میں استعمال کرے گا۔

آدھے قندھار پر مجاہدین کا قبضہ

روسی فوج اب جنگ سے گریز کر رہی ہے

برطانوی ٹیلیویژن کے نامہ نگار کی رپورٹ

افغانستان میں روسی فوج جنگ میں حصہ لینے سے گریز کر رہی ہے۔ یہ بات برطانوی ٹیلیویژن آئی ٹی وی کے نامہ نگار مگ ڈاؤنی نے دو ماہ افغانستان میں گزارنے کے بعد برطانیہ لوٹ کر بتائی۔ اس نے افغانستان کی ایک فلم بھی [illegible] دکھائی گئی جس میں مجاہدین کو لڑائیوں میں حصہ لیتے دکھایا گیا تھا ڈاؤنی نے بتایا کہ قندھار کا آدھا حصہ مجاہدین کے قبضہ میں ہے نامہ نگار نے مجاہدین کی بہادری پر شک و شبہ کا اظہار کیا حالانکہ فلم میں جو مناظر دکھائے گئے ان سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ مجاہدین بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کے برعکس مجاہدین کو بے جگری اور بے خوفی سے جنگوں میں حصہ لیتے دکھایا گیا ڈاؤنی نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ وہ جہاں بھی گئے انہوں نے یہی دیکھا کہ روسی فوجیں جنگ سے گریز کر رہی ہیں۔ [illegible] میں انہوں نے [illegible] حکومت کی موجودگی کا کوئی احساس نہیں ہوتا [illegible] نے قندھار پر حملے کی فلم بھی بنائی۔ افغان مجاہدین نے افغان فوج پر محض چند رائفلوں اور ٹینک شکن راکٹوں کی مدد سے حملہ کیا اور اسے مار بھگایا۔ روسی فوجوں نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا [illegible] قندھار کے باہر ایک بڑے کیمپ میں بھاری تعداد میں روسی فوجی موجود تھے، ایک روسی ہیلی کاپٹر بھی شہر پر [illegible] مگر اس نے بھی مجاہدین اور افغان فوج کی لڑائی میں کوئی دلچسپی نہیں لی حالانکہ وہ گولیاں برسا کر شہر کی ہر سڑک پر مجاہدین کو تتر بتر کر سکتا تھا ڈاؤنی نے سوال کیا کہ آخر روسی فوجوں نے یہ حکمت عملی کیوں اختیار کی ہے [illegible] یہ ہے کہ روسی افواج افغانستان میں صرف قدم جمائے ہوئے ہیں [illegible]

مصر پھر روسی ماہرین کی خدمات حاصل کرے گا

مصر نے ایک بار پھر روسی ماہرین کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے فوری طور پر معلوم نہیں ہوا کہ کتنی تعداد میں روسی ماہرین کو مصر آنے کی اجازت دی جائے گی۔ بی بی سی نے بتایا ہے کہ روسی ماہرین کی خدمات اسوان بند کے بجلی گھر کے لئے حاصل کی جارہی ہیں۔ ادھر روس نے بھی بجلی گھر کو جدید طرز کا بنانے میں مدد دینے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ مصر کے اس فیصلے سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ حالیہ برسوں میں دونوں ملکوں کے تعلقات میں جو کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اس میں کمی ہوئی ہے جو سادات نے گزشتہ سال داخلی معاملات میں مداخلت کرنے کا الزام لگا کر روسی سفیر کو ملک سے نکال دیا تھا جس کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے تھے۔

اخلاص

محمد الحسنی مرحوم

"اخلاص"، دعوت اسلامی میں ہمیشہ مرکزی نقطہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن یہ اخلاص اس قلب کی طرح ہے جس کو اپنا کام کرنے کے لئے اعضاء و جوارح کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح یہ "اخلاص" اس نگاہ و نظر کی طرح ہے جس کو کام پورا کرنے کے لئے دست و بازو کی ضرورت ہوتی ہے، اگرچہ تنہا "اخلاص" ہی انسان کی ذات کو ابدی ہلاکت سے بچانے اور جنت دلانے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ نفس "اخلاص" کو اپنانے کے لئے کسی خاص صلاحیت کی ضرورت نہیں نیز اس کے لئے کسی ذہانت و واقفیت کی بھی ضرورت نہیں اسی طرح دخول جنت کے لئے کامیاب منتظم کار ہونے کی بھی ضرورت نہیں اس لئے کہ اخلاص ایک ایسا قیمتی جوہر ہے جو نایاب اور کم یاب ہے اور ساری نیکیوں کی جان ہے اسی وجہ سے عند اللہ مقبول و محبوب بھی ہے، قرآن بصراحت اعلان کرتا ہے "یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من أتى الله بقلب سليم" ایسا دل جو سیاست کی بازی گری سے پاک اور جو علم کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے بھرا ہوا

حقیقت یہ ہے کہ ہماری زندگی پر پیچ اور جلد فنا ہونے والی، بے اصل اور بے حقیقت ہے لیکن اس میں شر و فساد منظم اور کیل دکانٹے سے لیس ہیں جس پر محض اخلاص یا صرف تنظیم سے قابو پانا مشکل ہے بلکہ ایسے اخلاص کی ضرورت ہے جسکے ساتھ فراست و ذکاوت اور تشکیل و تنظیم بھی شامل ہو یا کم از کم ایسی تنظیم با غیر معمولی ذکاوت کی ضرورت ہے جو اخلاص سے بھرپور اور ایمان و نیک نیتی سے لیس ہو اور روشن ضمیری و سلامت قلبی سے آراستہ ہو، یہی ہمارا سب سے مضبوط اور طاقتور ہتھیار ہے، جو دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لئے شمشیر برہنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آئیے غور کریں کہ ہم نے اس کی کتنی قدر و قیمت پہچانی اور اس کے ذریعے کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟؟

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ و لذیذ

سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصی پیش کش

ڈرائی فروٹ برفی

پلک کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

خریدنے کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی فون 320059

برانچ:۔ ۳۳- محمد علی روڈ بمبئی-۳